دار العلوم کراچی کا ترجمان

ماہنامہ

البلاغ
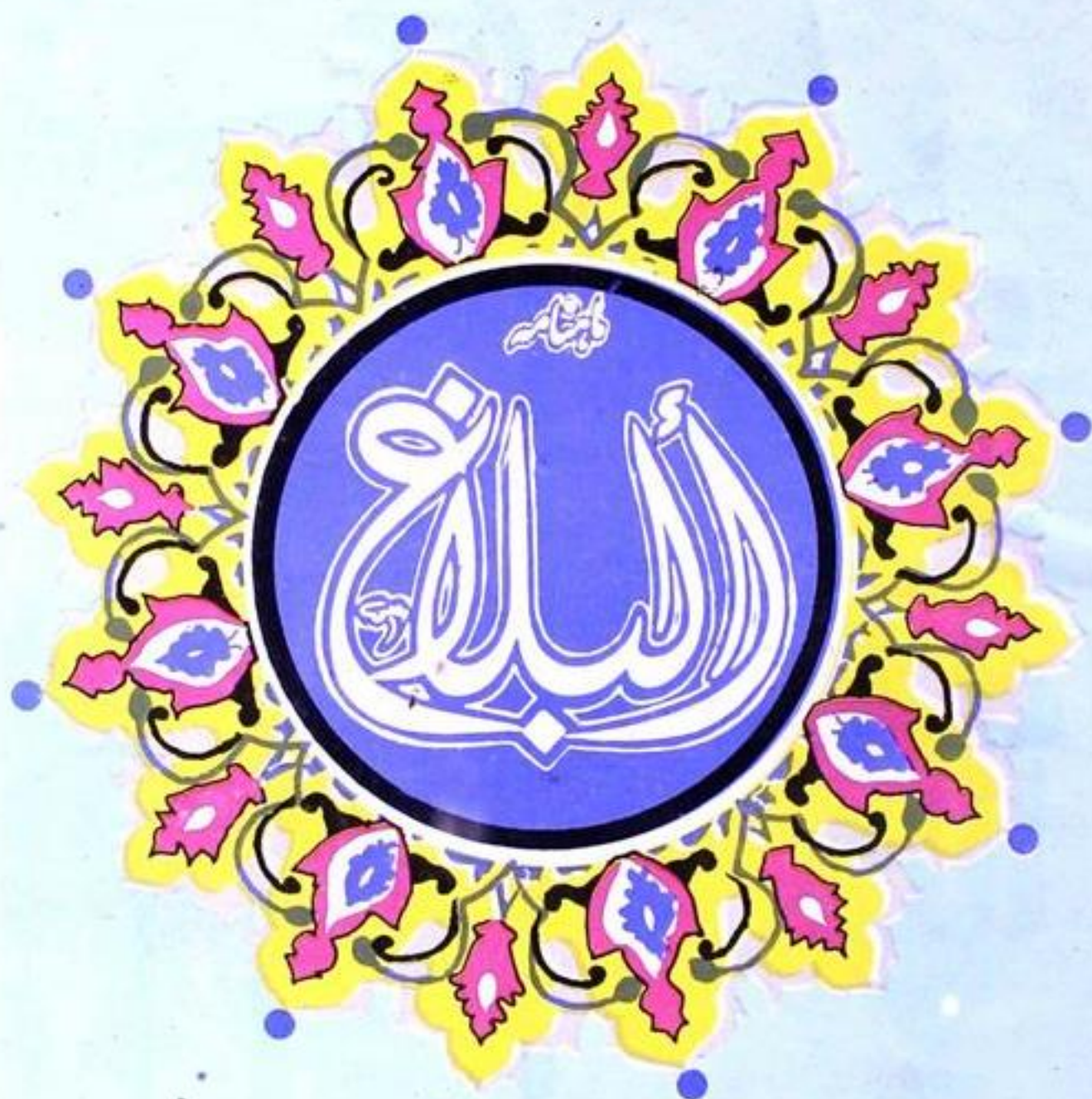
شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ اپریل ۱۹۸۸ء

بانی

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ
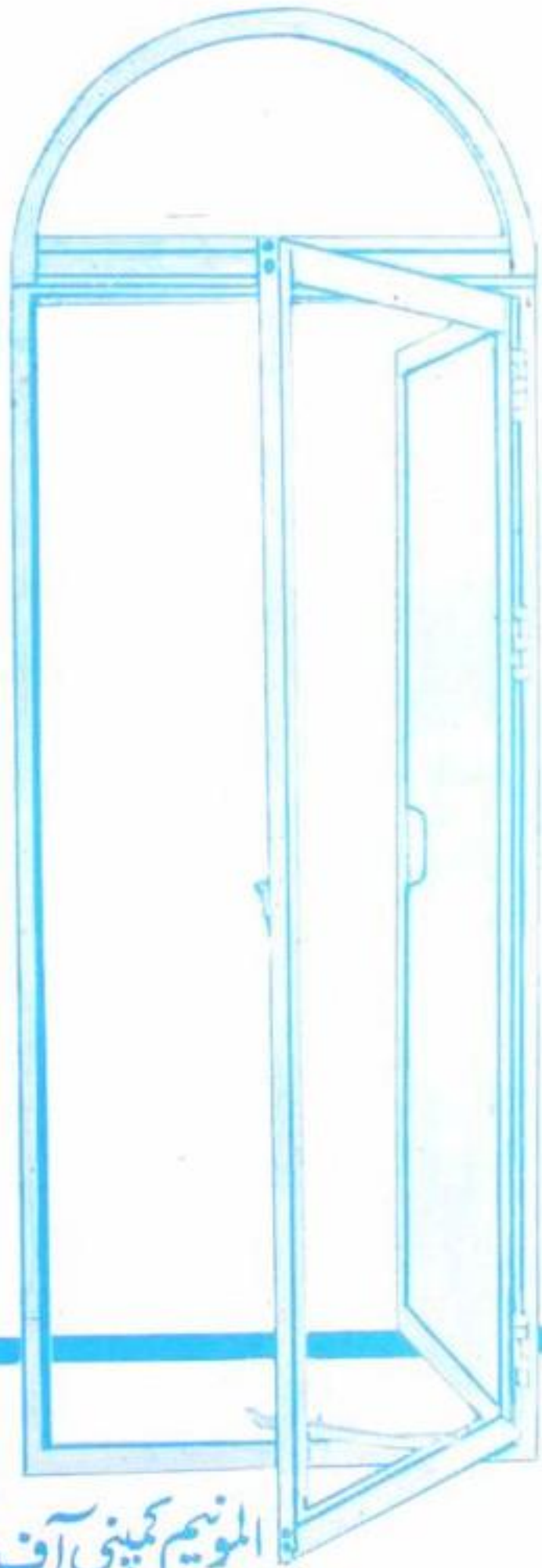
الکوپ
المونیم کی
معیاری
مصنوعات
alcop
المونیم کمپنی آف پاکستان انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
— ایک ادارہ پاکستان کی ترقی میں سہیم و کوشاں
ہیڈ آفس : میریٹ روڈ۔ کراچی ۲ فون : 223851, 233068, 224885, 221728
ٹیلیکس: 25713 ALCOP PK کیبل : "EXTRUSIONS"
ریجنل آفس لاہور:- 21 عابد مجید روڈ۔ لاہور کینٹ۔ فون: 372681
ریجنل آفس راولپنڈی: 5 رحیم پلازہ، 112 مری روڈ۔ فون: 64921
MASS

هٰذا بلاغٌ للنّاس

ماہنامہ

البلاغ
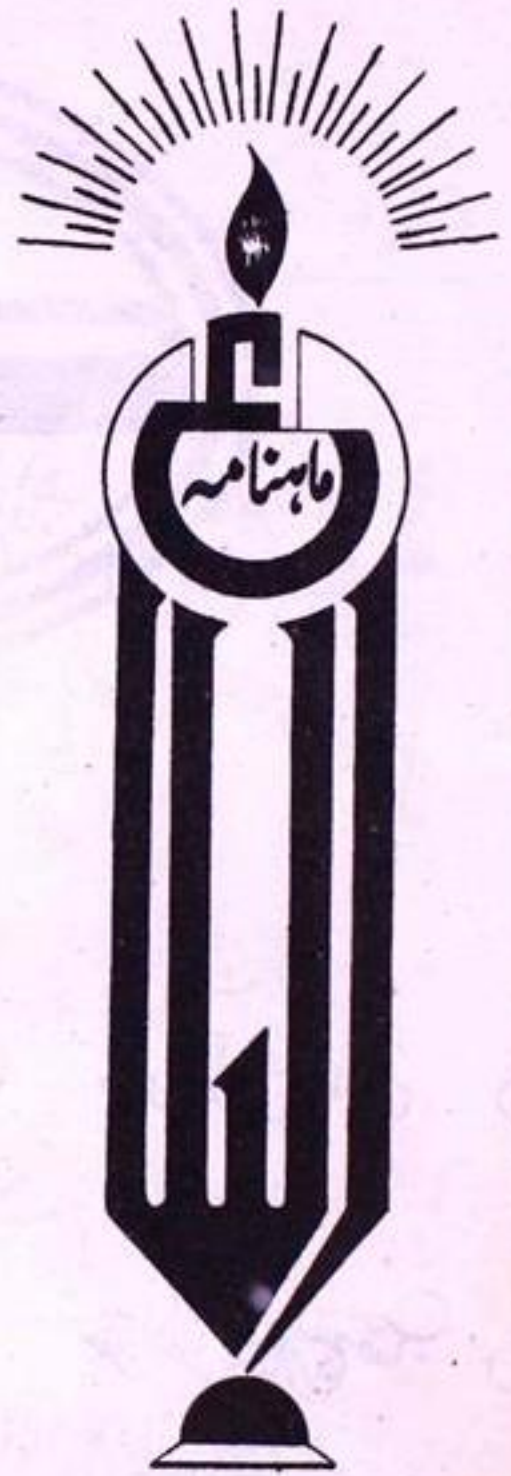
قیمت فی پرچہ پانچ روپے

سالانہ پچاس روپے

جلد ۲۲

شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ / اپریل ۱۹۸۸ء

شمارہ ۸

نگراں :

حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی

مدیر :

محمد تقی عثمانی

ناظم :

شجاعت علی ہاشمی

سالانہ بدل اشتراک :

بیرونِ ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

ریاستہائے متحدہ امریکہ / ۲۳۰ روپے — برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ

ہانگ کانگ، نائیجریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ / ۱۸۰ روپے — سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت / ۱۵۰ روپے
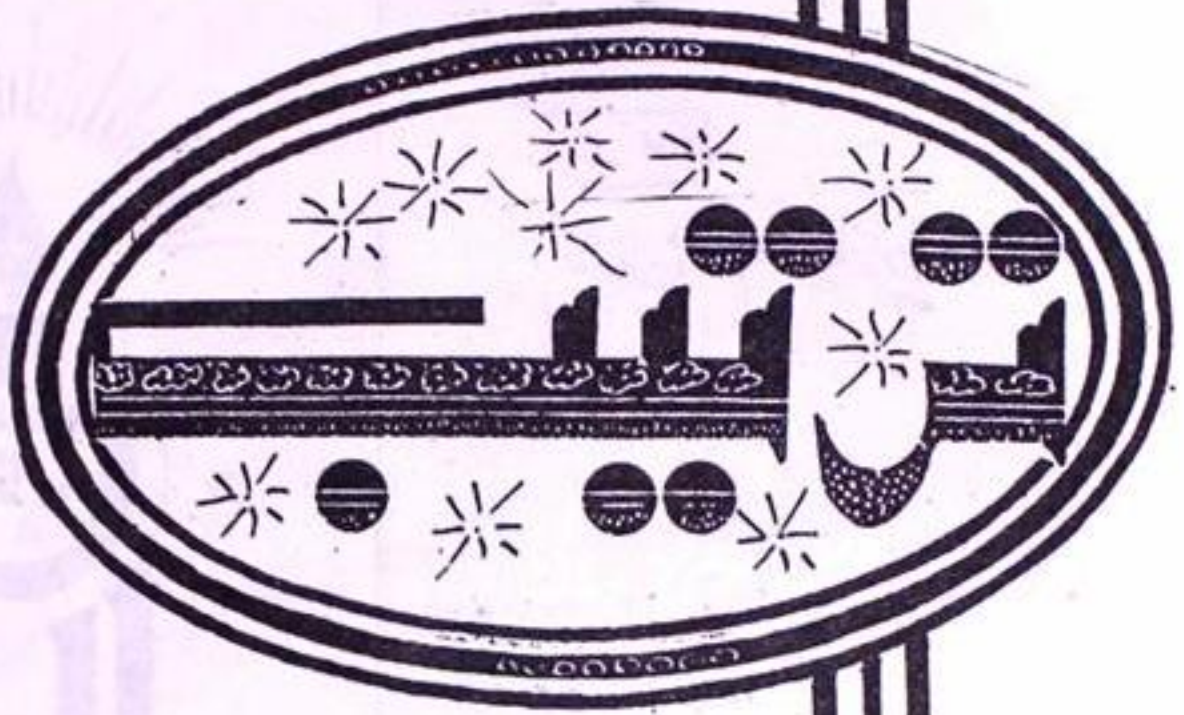
پبلشر: محمد تقی عثمانی دارالعلوم کراچی

پرنٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ "البلاغ" دارالعلوم کراچی ۱۴

فون نمبر : ۳۱۱۲۱۷

ترتیب

ذکر و فکر

معارف و مسائل

مقالات و مضامین

تقید و تبصرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکر و فکر:

حمد و ستائش اس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبرؐ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا

مسلم ممالک کی منظمۃ المؤتمر الإسلامی (آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس) کی طرف سے جدہ میں جو مجمع الفقہ الإسلامی (اسلامی فقہ اکیڈمی) چار سال قبل قائم ہوئی ہے، اُس کی کارروائیوں کا تذکرہ دو مرتبہ میں "البلاغ" میں کر چکا ہوں۔ اس ادارے کے مقاصد میں عالمی نوعیت کے فقہی مسائل پر غور و خوض، فقہی ذخائر کی بہتر نشر و اشاعت اور فقہ سے استفادے کو آسان بنانے کی جدوجہد شامل ہے۔ یہ ادارہ تمام مسلم ممالک کا مشترک ادارہ ہے، جس میں ہر مسلم ملک سے ایک ایک عالم مستقل رکن ہے۔ اس کے علاوہ عالم اسلام میں جو مختلف ادارے ملتے جلتے مقاصد کیلئے قائم ہیں، ان میں سے بھی کچھ حضرات اس کے مستقل رکن ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر خبراء (ماہرین) کی ایک طویل فہرست میں سے حسب ضرورت بہت سے حضرات کو بھی مدعو کیا جاتا ہے۔

ہر سال اس ادارے کی مجلس عام کا ایک طویل اجلاس منعقد ہوتا ہے، اور سال کے کے درمیان اس کی مختلف لجنات (کمیٹیوں) کے اجلاس بھی منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ طریق کار یہ

ہے کہ ہر سال وہ موضوعات طے کرلئے جاتے ہیں جو مجمع کے آئندہ اجلاس میں زیر بحث آنے ہوں۔ ان موضوعات پر مجمع کے ارکان اور خُبراء (ماہرین) سے تحقیقی مقالے لکھوائے جاتے ہیں۔ یہ مقالے عام اجلاس سے کم از کم تین ماہ پہلے تمام ارکان کو اُن کے گھروں پر پہنچا دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان پر غور کرسکیں۔ پھر اجلاسِ عام میں اُن مقالوں کا خلاصہ پیش ہوتا ہے، جس میں ہر موضوع سے متعلق مختلف نقطہ ہائے نظر سامنے آجاتے ہیں۔ اس کے بعد اُن پر عام بحث ہوتی ہے۔ اس بحث کے نتیجے میں ارکان یا ان کی اکثریت جس نتیجے پر پہنچتی ہے، اُس کو قرارداد کے طور پر مرتب کرلیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے مقالے اجلاس میں پیش ہوئے، نیز اُن مقالوں پر اجلاس میں جو بحث ہوئی، اُس کو ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے قلمبند کرکے ایک سالانہ مجلّہ میں بھی شائع کیا جاتا ہے۔

اَب تک مجمع الفقہ الاسلامی کے چار اجلاس منعقد ہوئے ہیں، جن میں سے پہلا اجلاس مکّہ مکرمہ میں منعقد ہوا جو تنظیمی نوعیت کا تھا، دوسرا اجلاس جدّہ میں ہوا جس میں مجمع کے کام کا باقاعدہ آغاز ہوا اور مختلف مسائل پر فیصلے کئے گئے۔ تیسرا اجلاس عمّان (اردن) میں ہوا، اور اب چوتھا اجلاس ۱۸ سے ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ (۶ سے ۱۱ فروری ۱۹۸۸ء) تک جدّہ میں منعقد ہوا۔

پہلے تین اجلاسوں کی مکمل کارروائی، قراردادیں، مقالے اور مباحثے پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل "مجلّۃ مجمع الفقہ الاسلامی" میں شائع ہوچکے ہیں۔

ان میں سے پہلے دو اجلاسوں کی قراردادیں، میں پہلے "البلاغ" میں شائع کرچکا ہوں، لیکن پچھلے سال عمّان میں جو تیسرا اجلاس منعقد ہوا تھا، اُس کی اور اس حالیہ چوتھے اجلاس کی قراردادیں ابھی تک احقر اپنی مصروفیت کی بنا پر شائع نہیں کرسکا تھا۔ اِس مرتبہ ان دونوں اجلاسوں کی اہم قراردادوں کا خلاصہ پیش کرنا مقصود ہے۔

رُویتِ ہلال اور فلکی حسابات:

۱؎ مجمع الفقہ الاسلامی کے جملہ اخراجات کے بارے میں اصولاً یہ طے ہے کہ تمام مُسلم ممالک مل کر یہ اخراجات برداشت کریں گے، ہر ملک نے اپنے ذمّے اس کے اخراجات کا ایک حصّہ لیا ہوا ہے، لیکن عملاً بیشتر ممالک اپنا حصّہ ادا نہیں کرسکے، اس لئے یہ ادارہ مالی مشکلات کا شکار رہتا ہے، اور بعض اوقات عام اجلاس کے انعقاد کیلئے بھی اس کے پاس کافی رقم نہیں ہوتی۔ پچھلے سال مجمع کے مالی تعاون کے طور پر حکومت اردن نے یہ پیشکش کی تھی کہ اجلاس کی میزبانی وہ کریگی، اس لئے اجلاس عمّان میں منعقد ہوا۔

یہ مسئلہ مُدّتِ دراز سے مختلف مُوتمرات میں اٹھتا رہا ہے کہ قمری مہینوں کے آغاز کا تعین کرنے کیلئے علمِ فلکیات سے مدد لیکر طلوعِ ہلال کا فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ مسئلہ مجمع کے دوسرے اجلاس میں بھی ایجنڈے پر رکھا گیا تھا، لیکن اُس وقت بحث ومباحثہ کے نتیجے میں یہ محسوس ہوا کہ اس مسئلے کے مختلف جواب کو منقح کرنے کیلئے مزید غور وتحقیق کی ضرورت ہے، اس لئے اس مسئلے کو تیسرے اجلاس تک ملتوی کر دیا گیا تھا۔ اس دوران عُلماء سے فقہی حیثیت پر اور ماہرین فلکیات سے فنی حیثیت پر مقالے لکھوائے گئے، اور بعض نہایت عالمانہ مقالے سامنے آئے، اور تیسرے اجلاس میں علماء کرام کے ساتھ متعدد ماہرینِ فلکیات کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس مسئلے پر تقریباً پورے دن بحث جاری رہی۔ اس بحث میں ماہرینِ فلکیات نے پوری تفصیل کے ساتھ مجمع کے سامنے یہ حقیقت بھی واضح کی کہ چاند کا قابلِ رویت ہونا کسی بھی حساب سے یقینی طور پر دریافت نہیں کیا جا سکتا، اور اس معاملے میں جتنی پیشین گوئیاں کی جاتی ہیں، وہ صرف ظن وتخمین کی حیثیت رکھتی ہیں۔

فقہی اعتبار سے بھی فلکی حسابات کے اعتبار کے مسئلے پر نہایت مفصل بحث ہوئی، اور اختلافِ مطالع کے مسئلے پر بھی، بالآخر مجمع نے جو قرارداد بالاتفاق منظور کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ثبوتِ ہلال کیلئے رویت پر ہی اعتماد ضروری ہے۔ البتہ فلکی رصدگاہوں اور حسابات سے اس حد تک مدد لی جاسکتی ہے کہ جن تاریخوں میں حسابات کی رُو سے چاند کا نظر آنا ممکن نہ ہو، اُن تاریخوں میں رویت کی شہادت قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا جائے۔ دوسری طرف اختلافِ مطالع کے بارے میں یہ طے ہوا کہ شرعاً اختلافِ مطالع معتبر نہیں ہے، لہٰذا ایک جگہ کی رُویت دوسری جگہ ثبوتِ ہلال کیلئے کافی ہوسکتی ہے، بشرطیکہ اس کا ثبوت شرعی طریقوں سے ہوجائے۔

فضائی مسافروں کیلئے جدہ سے احرام کا مسئلہ:

بعض معاصرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ فضائی راستوں سے جو لوگ حج یا عمرے کا سفر کرتے ہیں، ان کیلئے جدّہ کو میقات کی حیثیت دیدینی چاہیئے، خواہ اُن کا طیارہ کسی منصوص میقات کے اوپر سے پرواز کر کے جدّہ پہنچا ہو۔ اس موضوع پر بعض حضرات نے مقالے بھی لکھے تھے جن میں اردن کے شیخ مصطفی الزرقاء بھی شامل ہیں، اُن کا موقف یہ تھا کہ ہوائی جہاز کا کسی میقات کی فضا سے گذرنا میقات پر گذرنے کے حکم میں نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن ارکان کی اکثریت کا موقف یہ تھا کہ تمام شرعی، قانونی اور عرفی احکام میں کسی علاقے کی فضا وہی حکم رکھتی ہے جو اس علاقے کی خشکی کا حکم ہے۔ چنانچہ حرم میں جس طرح خشکی کا شکار ممنوع ہے، اسی طرح حرم کی فضا میں اُڑتے ہوئے پرندے کا

شکار بھی ناجائز ہے۔ بین الاقوامی قوانین میں بھی کسی ملک کی فضا پر زمین ہی کے احکام جاری ہوتے ہیں، چنانچہ کوئی طیارہ کسی ملک کی فضائی حدود میں اس ملک کی اجازت کے بغیر پرواز نہیں کر سکتا، لہٰذا میقات کی فضا میں پرواز کرنے کا بھی شرعاً وہی حکم ہوگا جو اس میقات پر خشکی کے راستے گذرنے کا حکم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر مجمع نے جو قرارداد منظور کی، وہ یہ ہے کہ: "جو شخص حج یا عمرہ کیلئے سفر کر رہا ہو اس کو انہی مواقیت سے احرام باندھنا واجب ہے جن کی تحدید سنّتِ نبویّہ نے کی ہے، خواہ وہ بذاتِ خود ان مواقیت سے گذرے یا ان کی محاذات سے، اور خواہ زمینی راستے سے سفر کرے یا بحری راستے سے یا فضائی راستے سے۔ کیونکہ احادیثِ نبویّہ میں ان مواقیت سے احرام باندھنے کا حکم ہر شخص کیلئے عام ہے۔"

البنک الاسلامی للتنمیہ کے سوالات:

"البنک الاسلامی للتنمیہ" (اسلامک ڈیولپمنٹ بینک) تمام مسلم ممالک کا ایک مشترک بینک ہے جو تمام ممبر ملکوں کو اُن کے مختلف ترقیاتی اور تجارتی منصوبوں کیلئے سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ اصولی طور پر تمام مسلم ملکوں نے یہ طے کیا تھا کہ یہ بینک مروجہ سُودی طریقوں کے بجائے سرمایہ فراہم کرنے کے ایسے طریقے اختیار کریگا جو شریعت کے مطابق ہوں، چنانچہ اُس نے جو طریقے اس غرض کیلئے اختیار کئے ہوئے ہیں، اُن کی تفصیل ایک استفتاء کی شکل میں مجمع الفقہ الاسلامی کے پاس بھیجی تھی اور یہ سوال کیا تھا کہ یہ طریقے شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اور شرعی نقطۂ نظر سے ان میں کس قسم کی ترمیم کی ضرورت ہے؟

ان سوالات کے جواب میں مختلف ارکان نے مقالے تحریر کئے، لیکن بحث و مباحثہ کے نتیجے میں بعض امور تنقیح طلب معلوم ہوئے، چنانچہ ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی جس نے بینک کے ذمہ داروں سے مل کر صورتِ حال کی وضاحت طلب کی، پھر اس کی رپورٹ عمّان کے اجلاس میں زیرِ غور آئی۔ بالآخر جو فیصلے ہوئے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ سروس چارج:

بینک کا پہلا سوال یہ تھا کہ بینک اپنے رکن ممالک کو مختلف منصوبوں کی تکمیل کیلئے طویل المیعاد قرضے دیتا ہے، جن کی واپسی کی مدت پندرہ سے تیس سال کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ قرضے غیر سُودی ہوتے ہیں۔ البتہ بینک ان قرضوں کے انتظامی اخراجات "سروس چارج" کے طور پر متعلقہ ممالک سے وصول کرتا ہے۔ فی الحال بینک ہر قرضے پر ہونے والے واقعی اخراجات کا ٹھیک ٹھیک تعین پر قادر نہیں ہے،

لہٰذا وہ تقریبی اندازہ کر کے یہ سروس چارج وصول کرتا ہے جو قرضے کے ڈھائی فی صد سے تین فیصد تک ہوتا ہے کیا اس طرح سروس چارج وصول کرنا جائز ہے؟

اس سوال کے جواب میں مجمع کی طرف سے مندرجۂ ذیل تین اصول بطور قرارداد منظور کئے گئے:

(۱) قرض دینے کے عمل پر جو اخراجات آئیں وہ مقروض سے بطور سروس چارج وصول کرنا جائز ہے۔

(۲) لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ سروس چارج واقعی اخراجات کے دائرے میں ہوں۔

(۳) واقعی اخراجات پر کوئی بھی اضافہ لینا شرعاً ربا میں داخل اور حرام ہے۔

۲۔ بینک کی طرف سے اجارہ

بینک کا دوسرا سوال یہ تھا کہ بینک اپنے گاہکوں کو بعض اوقات مشینری وغیرہ خرید کر انہیں کرائے پر دیتا ہے، اور ان سے ماہانہ یا سالانہ کرایہ وصول کرتا رہتا ہے، لیکن اس غرض کیلئے اس کا طریق کار یہ ہے کہ گاہک کو جس مشینری یا دوسرے اسباب کی ضرورت ہوتی ہے، بینک اسی گاہک کو وہ مشینری یا اسباب خریدنے کیلئے مامور کرتا ہے، گاہک جب وہ مشینری یا اسباب خرید لیتا ہے تو اس کو بینک کرایہ پر دیدیتا ہے۔ اور ایک معین مدت کے گذرنے کے بعد بینک وہ مشینری اسی گاہک کو معمولی قیمت پر بیچ دیتا ہے، یا ھبہ کردیتا ہے۔ یہ معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟۔

اس سوال کے جواب میں مجمع نے مندرجۂ ذیل اصول بطور قرارداد منظور کئے:۔

(۱) بینک کی طرف سے گاہک سے یہ وعدہ کرنا کہ وہ مطلوبہ مشینری وغیرہ خریدنے کے بعد گاہک کو کرایہ پر دیدیگا، شرعاً جائز ہے۔

(۲) گاہک کو اس مشینری کی خریداری کیلئے وکیل بنانا جائز ہے جسے وہ بینک سے کرایہ پر لینا چاہتا ہے لیکن جہاں تک ممکن ہو، بہتر یہ ہوگا کہ خریداری کا وکیل اُس گاہک کے سوا کسی اور کو بنایا جائے۔

(۳) مشینری کرائے پر دینے کا معاملہ اُس وقت ہونا چاہیئے جب بینک کو اس مشینری کی مکمل ملکیت حاصل ہوجائے۔ اور کرائے کا یہ معاملہ وکالت کے مذکورہ معاملے سے الگ مستقل عقد کے ذریعے ہونا ضروری ہے۔

(۴) اگر کرایہ داری کے معاہدے کے بعد بینک ایک مستقل معاہدے کے ذریعے یہ وعدہ کرلے کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہونے کے بعد وہ مشینری گاہک کو ھبہ کردیگا تو یہ وعدہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ یہ وعدہ اجارہ اور توکیل کے معاہدات سے الگ مستقل حیثیت رکھتا ہو۔

(۵) کرایہ داری کی پوری مدت میں مشینری کی تباہی یا اس میں کسی عیب کے پیدا ہونے کی تمام تر ذمہ داری بینک پر ہوگی، کیونکہ وہی اس مشینری کا مالک ہے۔ ہاں اگر یہ عیب گاہک کی کسی تعدی (زیادتی) کی بنا پر ہوئی ہو تو اس کی ذمہ داری اس پر ڈالی جاسکتی ہے۔

(۶) اگر تامین (بیمہ) کی اسلامی کمپنیوں میں سے کہیں اس سامان کا بیمہ کرایا جائے تو اس کے اخراجات بھی بینک کے ذمہ ہونگے۔

اُدھار بیعِ مرابحہ:

بینک کا تیسرا سوال بیعِ مرابحہ سے متعلق تھا اس طریقِ کار میں بینک کے گاہک کو جس سامان (خام مال وغیرہ) کی ضرورت ہوتی ہے، بینک وہ سامان اسی گاہک کے ذریعہ خرید کر اُسی گاہک کو نفع پر بیچ دیتا ہے، اور قیمت اُدھار قسطوں پر وصول کی جاتی ہے۔

اس طریقِ کار کے بارے میں مجمع کی قرارداد یہ ہے:۔

(۱) بینک کی طرف سے یہ وعدہ کہ وہ مطلوبہ سامان خرید کر گاہک کو بیچے گا، شرعاً جائز ہے۔

(۲) اگر بینک اسی گاہک کو مطلوبہ سامان کی خریداری کیلئے وکیل بنادے کہ وہ مخصوص اوصاف کا سامان بینک کیلئے خریدلے، اور نیت یہ ہو کہ بینک اس سامان کی خریداری کے بعد اُسی گاہک کو بیچ دیگا، تو یہ توکیل شرعاً مقبول ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ خریداری کا وکیل گاہک کے علاوہ کسی اور شخص کو بنایا جائے۔

(۳) یہ ضروری ہے کہ گاہک کو وہ سامان اُس وقت فروخت کیا جائے جب وہ سامان بینک کی ملکیت میں آچکا ہو، اور بینک نے اس پر خود یا بذریعۂ وکیل قبضہ کرلیا ہو، یہ عقدِ بیع اُس وقت ایک مستقل عقد کے ذریعے ہونا چاہیئے۔ جو توکیل کے مذکورہ عقد سے بالکل الگ ہو۔

مصنوعی تولید (ٹسٹ ٹیوب بے بی):

اسی اجلاس میں مجمع نے مصنوعی تولید کے اس طریقِ کار پر بھی غور کیا جو ٹسٹ ٹیوب بے بی کے نام سے رواج پارہا ہے۔ اس سلسلے میں مجمع کی قرارداد درجِ ذیل ہے:۔

اس زمانے میں مصنوعی تولید کے مندرجۂ ذیل طریقے معروف ہیں:۔

(۱) نطفہ شوہر کا ہو، اور کسی ایسی عورت کا بیضہ لیا جائے جو اس کی بیوی نہ ہو، پھر یہ لقیحہ اسی شوہر کی بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۲) نطفہ شوہر کے سوا کسی اور کا ہو، اور بیضہ بیوی کا ہو اور اسی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۳) شوہر کا نطفہ اور بیوی کا بیضہ رکھکر بیرونی طور پر ان کی تلقیح کی جائے، اور پھر یہ لقیحہ کسی دوسری عورت کے رحم میں رکھا جائے جسے "مستعار رحم" کہا جاتا ہے۔

(۴) کسی اجنبی شخص کے نطفے اور اجنبی عورت کے بیضے کے درمیان بیرونی طور پر تلقیح کی جائے، اور لقیحہ بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۵) شوہر کا نطفہ اور بیوی کا بیضہ لیکر بیرونی تلقیح کی جائے، اور اُس کو اسی شوہر کی دوسری بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۶) نطفہ شوہر کا ہو، بیضہ اس کی بیوی کا ہو، ان کی تلقیح بیرونی طور پر کی جائے، اور پھر اسی بیوی کے رحم میں رکھا جائے۔

(۷) شوہر کا نطفہ لیکر اسی کی بیوی کے مہبل یا رحم میں کسی مناسب جگہ پر بطور اندرونی تلقیح رکھا جائے۔

ان سات صورتوں میں سے پہلی پانچ صورتیں قطعاً حرام ہیں جن کی کسی حالت میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ ان میں نسب کا اختلاط اور امومت کا ضیاع بھی لازم آتا ہے، اور اس میں دوسرے شرعی محظورات بھی پائے جاتے ہیں۔ البتہ چھٹی اور ساتویں صورت میں مجمع نے یہ قرار دیا کہ ضرورت کے وقت ان طریقوں کے استعمال کی گنجائش ہے، بشرطیکہ تمام ضروری احتیاطی تدابیر اختیار کی گئی ہوں۔

انسان کی موت اور محرک آلات:

مجمع کے سامنے ایک سوال یہ تھا کہ بعض مریضوں کے قلب کی حرکت اور تنفس برقرار رکھنے کیلئے کچھ آلات استعمال کئے جاتے ہیں جن کو "اجہزۃ الإنعاش" کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی مریض کے بارے میں ڈاکٹروں کی رائے یہ ہوتی ہے کہ اس کے دماغ کی موت واقع ہو چکی ہے، لیکن اُن آلات کے اثر سے اس کے قلب کی دھڑکن اور تنفس جاری ہوتا ہے۔ ایسے میں اگر آلات ہٹا دیئے جائیں تو یہ دھڑکن اور تنفس یقینی طور پر ختم ہو جائیگا۔ لہٰذا اطباء اور اہلِ قانون میں یہ بحث چلی ہوئی ہے کہ اس حالت میں ایسے شخص پر زندگی کے احکام جاری ہوں گے یا موت کے؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موت اصل میں دماغ کی موت ہے، وہ ایسے شخص کو قلب کی حرکت اور تنفس کے جاری رہنے کے باوجود مُردہ سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ایسے شخص سے ان آلات کے علیحدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ موت قلب کی حرکت کے رک جانے کا نام ہے، وہ ایسے شخص کو زندہ تصور کرتے

ہیں، اور ایسے شخص سے ایسے آلات علیحدہ کرنا وہ نہ صرف یہ کہ جائز نہیں سمجھتے، بلکہ بعض لوگ اسے قتل تک قرار دیتے ہیں۔

اس موضوع پر ماہر اطباء کی موجودگی میں کئی گھنٹے بحث جاری رہی، اور بالآخر جو قرارداد منظور ہوئی، وہ مندرجہ ذیل ہے:۔

"جب کسی شخص کے اندر مندرجہ ذیل دو علامتوں میں سے کوئی علامت ظاہر ہو جائے تو اُسے شرعاً مُردہ تصور کیا جائیگا، اور اس پر موت کے تمام احکام جاری ہونگے:۔

(۱) جب اس شخص کا قلب اور تنفس مکمل طور پر اس طرح رُک جائے کہ ماہر اطباء یہ کہیں کہ اب اس کی واپسی ممکن نہیں۔

(۲) جب اس کے دماغ کے تمام وظائف بالکل معطّل ہو جائیں، اور اطباء و ماہرین اس بات پر متفق ہوں کہ دماغ کے اس تعطّل کی واپسی ممکن نہیں، اور اس کے دماغ کی تحلیل شروع ہو چکی ہے۔

ایسی حالت میں "اجہزۃ الإنعاش" کو اس شخص سے اُٹھا لینا جائز ہے، خواہ اس کے بعض اعضاء مثلاً قلب محض آلے کی وجہ سے مصنوعی حرکت کر رہا ہو۔"

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

معارف القرآن — سورۂ مومن — آیت ۴۳ تا ۴۶

معارف و مسائل

مومن آلِ فرعون اوپر جا بجا منکرین توحید و رسالت کی وعید و تہدید کے ضمن میں کفار کا خلاف و عناد مذکور ہوا ہے جس سے طبعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزن و ملال ہوتا تھا۔ آپ کی تسلی کے لئے مذکور الصدر تقریباً دو رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس قصہ میں ایک طویل مکالمہ فرعون اور قوم فرعون کے ساتھ اس بزرگ شخص کا ہے جو خود آلِ فرعون میں ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان لے آیا تھا۔ مگر بمصلحت اپنے ایمان کو اس وقت تک چھپا رکھا تھا۔ اس مکالمہ کے وقت اس کے ایمان کا بھی حتمی اعلان ہوگیا

ائمہ تفسیر میں سے مقاتل اور سُدّی اور حضرت حسن نے فرمایا کہ یہ فرعون کا چچا زاد بھائی تھا، اور یہ وہی شخص تھا جس نے اس وقت جبکہ قبطی کے قتل کے واقعہ میں اس کے قصاص کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا مشورہ دربار فرعون میں ہو رہا تھا تو یہی شہر کے کنارے سے دوڑ کر آیا اور موسیٰ علیہ السلام کو خبر دے کر مشورہ دیا کہ شہر سے باہر چلے جائیں۔ جس کا واقعہ سورہ قصص میں حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ

اس مومن آلِ فرعون کا نام بعض نے حبیب بتلایا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ حبیب اس شخص کا نام ہے جس کا قصہ سورہ یٰسٓ میں آیا ہے اس کا نام شمعان ہے سہیلی نے اس نام کو اصح قرار دیا ہے اور دوسرے حضرات نے اس کا نام حزقیل بتلایا ہے۔ ثعلبی نے حضرات ابن عباسؓ سے

یہی قول نقل کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیقین چند ہیں ایک حبیب نجار جس کا قصہ سورہ یٰسین میں ہے۔ دوسرا مومن آل فرعون تیسرے ابوبکر اور وہ ان سب میں افضل ہیں (قرطبی)

یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر لوگوں کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار نہ کرے دل سے اعتقاد پختہ رکھے تو وہ مومن ہے مگر نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ ایمان کے مقبول ہونے کے لئے صرف دل کا یقین کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار کرنا شرط ہے جب تک زبان سے اقرار نہ کرے گا مومن نہ ہوگا۔ البتہ زبان کا اقرار لوگوں کے سامنے اعلان کے ساتھ کرنا ضروری نہیں۔ اس کی ضرورت صرف اس وجہ سے ہے کہ جب تک لوگوں کو اس کے ایمان کا علم نہیں ہوگا وہ اس کے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا نہ کر سکیں گے (قرطبی)

مُؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ نے اس مکالمہ میں آل فرعون اور فرعون کو مختلف عنوانات سے حق اور ایمان کی طرف بلایا اور وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے تھے ان کو اس سے باز رکھا۔

یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ۔ تنادِ بکسر دال مخفف ہے تنادی کا جس کے معنی ہیں باہم ایک دوسرے کو ندا اور آواز دینے کے۔ قیامت کے روز کو یَوْمَ التَّنَادِ اس لئے کہا گیا کہ اس روز بیشمار ندائیں اور آوازیں ہوں گی۔ جن کا کچھ ذکر خلاصہ تفسیر میں آچکا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کا ایک منادی ندا دے گا کہ اللہ کے مخالف لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو تقدیر کا انکار کرتے تھے اور پھر اصحاب جنت دوزخ والوں کو اور دوزخ والے اصحاب جنت کو اور اصحاب اعراف دونوں کو ندا دے کر اپنی باتیں کریں گے اور اس وقت ہر خوش نصیب اور بدنصیب کا نام مع ولدیت لیکر ان کے نتیجہ کا اعلان کیا جائے گا کہ فلاں ابن سعید و کامیاب ہوگیا۔ اس کے بعد شقاوت کا کوئی احتمال نہیں رہا اور فلاں بن فلاں شقی و بدبخت ہوگیا۔ اب اس کی نیک بختی کا کوئی احتمال نہیں رہا (رواہ ابن عاصم فی السنۃ مظہری) مسند بزار و بیہقی میں حضرت انس رض کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعادت و شقاوت کا اعلان وزن اعمال کے بعد ہوگا۔

اور حضرت ابو حازم اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے اعرج قیامت کے روز ندا دی جائے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہو جاویں تو ان کے ساتھ کھڑا ہوگا کہ پھر ندا دی جاوے کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا پھر ندا دی جاوے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی

کھڑا ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں ہر گناہ کے اعلان کے وقت تجھے ان کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا (کیونکہ تو نے ہر قسم کے گناہ جمع کر رکھے ہیں) (اخرجہ ابونعیم مظہری)

یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۔ یعنی جب تم پشت پھیر کر لوٹو گے۔ خلاصہ تفسیر میں بحوالہ امام بغوی اس کے معنی یہ بیان ہوئے ہیں کہ اس حالت کا بیان ہے جب مجرمین موقف حساب سے جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ پہلے یہ ندائیں اور اعلانات جن کا ذکر یوم التناد کی تفسیر میں اوپر ہوا ہے وہ سب ہو چکیں گے اس کے بعد یہ لوگ موقف حساب سے مڑ کر جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔

اور بعض حضرات مفسرین کے نزدیک یہ حال دنیا میں نفخہ اولیٰ کے وقت کا بیان کیا گیا ہے جب پہلا صور پھونکا جائے گا اور زمین پھٹے گی تو یہ لوگ ادھر ادھر بھاگیں گے۔ مگر ہر طرف فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ کہیں نکلنے کا راستہ نہ ہوگا۔ ان حضرات کے نزدیک یوم التناد سے مراد بھی نفخہ اولیٰ کا وقت ہے کہ اس میں ہر طرف سے چیخ و پکار ہوگی۔ آیت کی دوسری قرأت سے اس کی تائید ہوتی ہے جو حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؒ سے منقول ہے کہ یوم التناد کو بدال مشدد پڑھتے تھے جو ندّ مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی بھاگنے کے ہیں تو یَوْمُ التَّنَادّ کے معنی بھی اس تفسیر کی رو سے بھاگنے کا دن ہوئے اور تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ اسی کی تشریح ہوئی۔

تفسیر مظہری میں ایک طویل حدیث بحوالہ ابن جریر اور مسند ابویعلی اور بیہقی اور مسند عبد بن حمید وغیرہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے جس میں قیامت کے روز صور کے تین نفخوں کا ذکر ہے۔ پہلا نفخہ فزع دوسرا نفخہ صعق تیسرا نفخہ نشر۔ نفخہ فزع سے ساری مخلوق میں گھبراہٹ اور اضطراب پیدا ہوگا۔ یہی نفخہ اور طویل ہو کر نفخہ صعق بن جائے گا، جس سے سب بے ہوش ہو جائیں گے پھر مر جائیں گے عام طور پر ان دونوں نفخوں کے مجموعہ کو نفخہ اولیٰ کہا گیا ہے۔ جس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ ایک ہی نفخہ کے وقت دو کیفیتیں ہوں گی، پہلی فزع، دوسری صعق۔ اس حدیث میں بھی نفخہ فزع کے وقت لوگوں کے ادھر ادھر بھاگنے کا ذکر کرکے یہ فرمایا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ يَقُوْلُ اللّٰهُ يَوْمَ التَّنَادِ جس سے معلوم ہوا کہ آیت میں یوم التناد سے مراد پہلے نفخہ کے وقت لوگوں کا مضطربانہ ادھر ادھر دوڑنا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۔ یعنی جس طرح فرعون وہامان کے قلوب نے موسیٰ علیہ السلام اور مومن آل فرعون کی نصیحتوں سے کوئی اثر نہیں لیا اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کر دیتے ہیں ہر ایسے قلب پر جو متکبر اور جبار ہو (متکبر۔ تکبر کرنے والا اور جبار کے معنی ظالم قاتل) جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اس میں نور ایمان داخل نہیں ہوتا اور اس کو اچھے برے کی تمیز نہیں رہتی اس آیت میں متکبر اور جبار کو قلب کی صفت قرار دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام اخلاق و اعمال کا منبع اور سرچشمہ قلب ہی ہے، ہر اچھا برا عمل قلب ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا ہے کہ انسان کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا (یعنی دل) ایسا ہے جس کے درست ہونے سے سارا بدن درست

ہو جاتا ہے اور اس کے خراب ہونے سے سارا بدن خراب ہو جاتا ہے (قرطبی)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا ۔ صرح کے معنی بلند تعمیر کے ہیں ۔ ظاہر اس کا یہ ہے کہ فرعون نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ ایسی بلند تعمیر بناؤ جو آسمان کے قریب تک چلی جائے جس پر جا کر میں خدا کو جھانک کر دیکھ لوں یہ احمقانہ خیال جو کوئی ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی نہیں کر سکتا ۔ سلطنت مصر کے مالک فرعون کا یا تو واقعی ہے جو اس کی انتہائی بے وقوفی اور حماقت کی دلیل ہے اور وزیر نے اگر اس کی تعمیل کی تو وزیرے چنین شہر یار چنین کا مصداق ہے ۔ مگر کسی بھی والیٔ ملک سے ایسے احمقانہ تصور کی امید نہیں کی جا سکتی ۔ اس لئے بعض حضرات مفسرین نے کہا کہ یہ تو وہ بھی جانتا تھا کہ کتنی ہی بلند تعمیر بنالے وہ آسمان تک پہنچ سکتا ۔ مگر اپنے لوگوں کو بے وقوف بنانے اور دکھانے کے لئے یہ حرکت کی تھی ۔ پھر کسی صحیح اور قوی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ ایسا کوئی محل عالیشان بلند تعمیر ہوا یا نہیں ۔ قرطبی نے نقل کیا ہے کہ یہ بلند تعمیر کرائی گئی تھی جو بلندی پر پہنچتے ہی منہدم ہو گئی ۔

دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے شاگرد خاص میرے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب نے اپنے استاد موصوف سے نقل کر کے فرمایا کہ اس قصر بلند کے منہدم ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ کوئی آسمانی عذاب آیا ہو بلکہ ہر تعمیر کی بلندی اُس کی بنیادوں کے تحمل پر موقوف ہوتی ہے اس نے کتنی بھی گہری بنیاد رکھی ہو مگر ایک حد تک ہی کی گہری ہوگی جب اس کے اوپر تعمیر چڑھاتا ہی چلا گیا تو لازم تھا کہ جب اس کی بنیادوں کے تحمل سے زیادہ ہو جائے تو منہدم ہو جائے اس سے فرعون و ہامان کی دوسری بے وقوفی ثابت ہوئی ۔ واللہ اعلم ۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۔ یہ مؤمن آل فرعون کا آخری کلام ہے جو اپنی قوم کو حق کی طرف سے بلانے کے سلسلے میں کیا گیا جس میں اظہار ہے کہ آج تو تم میری بات نہیں مانتے مگر جب عذاب تمہیں آپکڑے گا تو اس وقت تم کو میری بات یاد آئے گی ۔ مگر اس وقت کا یاد آنا بے کار ہوگا اور اب جبکہ اس طویل مکالمہ اور نصیحت و دعوت کے ذریعہ اس مومن آل فرعون کا ایمان ان لوگوں پر ظاہر ہو گیا تو فکر ہوئی کہ اب یہ لوگ اُن کے درپے ہوں گے اس لئے فرمایا کہ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں وہ اپنے بندوں کا نگراں و محافظ ہے ۔ امام تفسیر مقاتل نے فرمایا کہ ان کے گمان کے مطابق قوم فرعون ان کے درپے ہوئی تو یہ پہاڑ کی طرف بھاگ نکلے اور ان کی گرفت میں نہ آسکے جس کا ذکر اگلی آیت میں اس طرح آیا ہے ۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ۔

یعنی اس کو اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی بری تدبیروں کے شر سے بچا لیا مگر خود قوم فرعون سخت عذاب میں پکڑی گئی ۔ مولائے کریم نے مؤمن آل فرعون کو دنیا میں اول تو آل فرعون کی ان کے خلاف تدبیروں سے بچایا جس کی تفصیل قرآن میں مذکور نہیں ۔ مگر الفاظ قرآن سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قتل کرنے اور تکلیف پہونچانے کے لئے قوم فرعون نے بہت سی تدبیریں کی تھیں اور جب پھر قوم فرعون غرق ہوئی

تو اس بندۂ مومن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات دی گئی اور آخرت کی نجات تو ظاہر ہی ہے، اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَّیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ آلِ فرعون کی رُوحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح اور شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھلا کر اُن سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانا یہ ہے ۔

(اخرجہ عبدالرزاق وابن ابی حاتم ۔ مظہری)

اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو عالم برزخ میں صبح و شام اس کو وہ مقام دکھلایا جاتا ہے جہاں قیامت کے حساب کے بعد اس کو پہنچنا ہے ۔ اگر یہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو اس کا مقام جنت اس کو دکھلایا جائے گا اور اہل جہنم میں سے ہے تو اس کا مقام جہنم اس کو دکھلایا جائے گا ۔

عذاب قبر

یہ آیت دلیل ہے عذابِ قبر کی اور حدیث کی روایت متواترہ اور اجماع اُمت اس پر شاہد ہیں جن کو احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام " السبر بعذاب القبر " میں جمع کر دیا ہے مع آیات متعلقہ کے یہ رسالہ احکام القرآن حزب سادس کا جز ہو کر بزبان عربی شائع ہو گیا ۔

زچہ بچہ کی حفاظت و سہولت کیلئے ایک نہایت مجرب جنتی تعویذ

محدث اعظم علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تصانیف کثیرہ و تفسیر درمنثور وغیرہ نے اپنی کتاب "کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب" جلد ۱ ص ۴۶ پر درج کرتے ہیں کہ ابونعیم نے یہ حدیث حضرت بریدہ اور حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا کہ دونوں کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ) نے خواب میں دیکھا کہ انہیں کہا گیا کہ آپ کو حمل ہوا ہے ساری مخلوق سے بہترین اور کل جہانوں کے سردار جب وہ آپ سے پیدا ہوں تو آپ ان کا نام " احمد و محمد " رکھیں اور ان پر یہ تعویذ لگا دیں، جب جاگ اٹھیں تو دیکھا اُن کے سرہانے کے قریب ایک سونے کا ٹکڑا رکھا ہوا تھا جس پر یہ تعویذ لکھا تھا (اُس وقت سونے کا برتنا حرام نہ تھا) جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ حجر اسود جنت سے سفید پتھر نازل ہوا تھا ۔ لوگوں کے گناہوں نے اس کو سیاہ کر دیا ۔ معلوم ہوا کہ جنتی پتھر میں گناہوں کو جذب کرنے کا خاصہ تھا اور یوسف علیہ السلام نے جنت کا قمیص جب والد صاحب کے منہ پر لگوایا تو وہ بینا ہو گئے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ کا مینڈھا جنت سے آیا تھا اس کے سینگ کعبہ شریف میں مدتوں رکھے رہے آپ بھی اس جنتی تعویذ کی برکتیں حاصل کریں ۔ (اپنے پتہ کا ڈاک لفافہ اور خرچہ اشاعت میں ایک روپیہ کا ٹکٹ بھیجکر منگا لیں) ۔ (مفتی) جمیل احمد تھانوی (مدظلہم) جامعہ اشرفیہ فیروزپور روڈ ۔ لاہور ۔ پاکستان ۔

مؤتمر المصنفین کی علمی و تحقیقی و عظیم تاریخی پیشکش

ایک نادر تحفہ ——— ایک عظیم خوشخبری

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

کے

حیرت انگیز واقعات

پیش لفظ ——— جناب مولانا سمیع الحق مدیر الحق

تصنیف ——— مولانا عبدالقیوم حقانی رفیق مؤتمر المصنفین و استاد دارالعلوم حقانیہ

اُردو کی سب سے پہلی اور کامیاب کاوش سہل سلیس، دل چسپ اور عام فہم، علم و عمل، تاریخ و تذکرہ، فقہ و قانون، اخلاص و للّٰہیت، طہارت و تقویٰ سیاست و اجتماعیت، جذبۂ اصلاحِ انقلابِ اُمت، تبلیغ و اشاعت دین، تعلیم و تدریس، غرض ہمہ جہت جامع اور نفع بخش ہے، واقعات و حکایات اور شریعت و طریقت کے دقیق مگر واضح اور حیات آفرین نکات کو عشق و محبت کی زبان میں بیان کرکے کتاب کو واقعتہً دلآویز، خوش تاثیر اور حیرت انگیز بنا دیا گیا ہے۔ جو ایک وقیع مقدمہ اور سات ابواب پر مشتمل ہے۔

تقطیع متوسط، کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت معیاری، ٹائیٹل خوش رنگ و دیدہ زیب اور سنہری جلد بندی۔ صفحات، ۲۷۲، قیمت: -/۵۰ روپے

مؤتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔ ضلع پشاور

ڈاکٹر ذکیہ سلطانہ

تحقیقی مقالہ:

حضرت عثمانؓ کا مالی نظام

زکوٰۃ:

اسلامی خزانہ کی آمدنی کی ایک اہم مد زکوٰۃ تھی۔ رسول اللہ صلعم نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کردیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کے پاس گھوڑے بہت کم تھے۔ بلاذری نے واقدی اور ابن ہشام کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی[۳۶] لیکن قانون و مالیات اسلام کے اولین مؤلفین قاضی ابو یوسف مؤلف کتاب 'الخراج'۔ یحییٰ بن سلام بن آدم قرشی "کتاب الخراج"۔ اور ابو عبید قاسم بن سلام مؤلف کتاب "کتاب الاموال"۔ امام شافعی مؤلف "کتاب الام"۔ امام مالک مؤلف "الموطا" میں سے کسی نے اس بات کی تصدیق نہیں کی کہ حضرت عثمانؓ نے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔ اس سلسلہ میں ایک روایت یہ ضرور ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہلِ شام کے اصرار پر ان کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی[۳۷] زکوٰۃ چاہے عہد عمرؓ میں لگی ہو چاہے عہد عثمانؓ میں، صحیح تھی اس لئے کہ اس زمانہ میں تجارت کے لئے بڑے پیمانہ پر گھوڑے پالے جانے لگے اور آنحضرت صلعم نے سواری کے گھوڑے کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا تھا[۳۸] امام شافعی کہتے ہیں کہ "جب کسی شخص نے ان جانوروں کو خریدا جن پر بذاتِ خود زکوٰۃ نہیں ہے لیکن وہ تجارت کے خیال سے خریدے گئے ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہو گئی۔[۳۹]

حضرت ابو بکرؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب کسی کو وظیفہ دینے لگتے تو اس سے پوچھتے کہ تمہارے

پاس واجب الزکوٰۃ مال تو نہیں ہے اگر وہ کہتا کہ ہے کہ تو زکوٰۃ کاٹ لی جاتی اور اگر وہ کہتا کہ نہیں تو پورا عطیہ دے دیا جاتا۔[۴۱] عائشہ بنت قدامہ کہتی ہیں کہ "جب عثمانؓ بن عفان میرے باپ کو وظیفہ بھیجتے تھے تو پوچھ لیا کرتے تھے کہ اگر تمہارے پاس کوئی مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو چکی ہے تو ہم اسے تمہارے عطیہ میں سے کاٹ لیں۔[۴۲] سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ تمہارے زکوٰۃ دینے کا مہینہ ہے۔ اگر کسی پر قرض ہے تو وہ اسے ادا کردے اور اس کے بعد زکوٰۃ نکالے۔[۴۳] اگر کسی سے ایک مرتبہ زکوٰۃ لے لی گئی تو آئندہ اس سے ایک سال تک زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔ (بعض نے کہا کہ اس مہینے سے مراد رمضان ہے اور بعض نے کہا کہ محرم ہے)[۴۴]

زکوٰۃ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف اس مال پر لی جاتی ہے جسے ایک سال ہو گیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ زکوٰۃ اس تمام مال پر واجب ہوگی جو زکوٰۃ دیتے وقت اس شخص کی ملکیت ہو۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ صرف اس مال پر زکوٰۃ واجب سمجھتے تھے جسے ایک سال ہو گیا ہو، حضرت ابو بکرؓ کا مسلک بھی یہی تھا۔[۴۵] حضرت عثمانؓ کہتے تھے کہ زکوٰۃ اس قرض پر بھی واجب ہے جس کو مالک جب چاہے مقروض سے طلب کرسکے۔[۴۶]

سیوطی کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کو اجازت دی کہ وہ اپنی زکوٰۃ خود نکالیں اور خود ہی مستحقین میں تقسیم کر دیں۔[۴۷] لیکن سیوطی کی یہ روایت درست نہیں کیونکہ ابتدائی ماخذوں میں کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مذکورہ بالا روایتوں سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلعم اور شیخین کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی نہ ہی مالیات اسلام کے مؤلفین قاضی ابو یوسف۔ یحییٰ بن سلام اور ابو عبید قاسم بن سلام وغیرہ نے اس کا کوئی تذکرہ کیا۔ حالانکہ یہ اس قدر اہم بات ہے کہ اگر یہ صحیح ہوتی تو اس کا تذکرہ ناگزیر تھا۔

جاگیرداری نظام:

عہدِ فاروقی میں (۱۶ھ میں) جب مسلمانوں کا عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا تو امرائے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ علاقے فتح کے صلہ میں بطور جاگیر انہیں عنایت کئے جائیں۔ حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ زمین مقامی باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے۔[۴۸] حضرت عمرؓ نے

مجلس شوریٰ منعقد کی، حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا لیکن کوئی فیصلہ نہ کیا جاسکا۔ آخر کار حضرت عمرؓ کو قرآن کی یہ آیت یاد آئی: "للفقراء الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم" (الخ) اس آیت کے آخری فقرے والذین جاءُ من بعدھم سے حضرتؓ نے استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے چنانچہ یہ اصول بنا دیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کی نہیں حکومت کی ملک رہیں گے۔ تمام زمینوں کے انتظام میں وہاں کے مقامی باشندوں کے رسم ورواج اور قانون کو پیش نظر رکھا اور ان کی رائے طلب کی۔ زمینوں کی پیمائش کرائی، آبپاشی کے انتظام کو بہتر بنایا۔ اور خراج کی آمدنی مسلمانوں اور ان کی نسلوں کے لیے موقف کردی۔[۴۹] اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں: ..... حضرت عمرؓ کے دلائل اللہ تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ تھے اور دراصل اسی میں مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ خراج کا مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ ہونا جماعتی مفاد کے اعتبار سے تقسیم اراضی کے مقابلہ میں بدرجہا مفید تھا۔[۵۰] حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جس قدر ممالک فتح کئے گئے ان کی اراضی کا معاملہ حکومت ہی کے ہاتھ میں رہا اور کاشتکاروں سے وصول شدہ لگان طے شدہ مدوں پر صرف ہوتا رہا۔[۵۱]

اراضی بیت المال میں امام کے اختیارات:

بیت المال کی دیگر املاک کی طرح اراضی بیت المال کا نگران بھی خلیفہ ہوتا تھا، خلیفہ کو ان زمینوں کے متعلق حسب ذیل اختیارات حاصل تھے:

(۱) زرعی زمینوں کو کاشت کرائے یا دوسرے کاشتکاروں کو بٹائی یا مقررہ اجرت پر دے اور سکنی جائیدادوں کو کرائے پر دے اور ان سب کی آمدنی کو بیت المال میں داخل کرے۔

(۲) حسب ضرورت رفاہ عامہ اور ضروریات عامہ کی چیزیں مثلاً مساجد، مدارس، یتیم خانے، شفاخانے، وغیرہ بنائے۔

(۳) ضرورت یا مصلحت کے تحت خلیفہ اراضی بیت المال میں فروخت بھی کر سکتا ہے۔

(۴) خلیفہ جس شخص کو اسلامی خدمات یا فقر وفاقہ یا معذوری وغیرہ کی بنا پر مستحق سمجھے اس کو بیت المال کی اراضی بطور جاگیر بھی دے سکتا ہے۔ اسے اس اراضی کے تعین اور تشخیص کا اختیار ہے پھر جاگیر عطا کرنے کی مختلف صورتیں ہیں ان صورتوں میں خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ وہ جس صورت کو مسلمانوں کے لئے نفع بخش سمجھے اس کو اختیار کرے۔[۵۲]

عوام الناس کو جاگیریں عطا کرنے کی ابتدا عہد رسالتؐ ہی میں ہوئی ان جاگیروں کو عطا کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ [53]

(۱) جاگیر کی ایک صورت یہ ہے کہ جس کو زمین دی جائے اس کو مالک بنا دیا جائے اس صورت میں اس کو بیع و شراء وغیرہ کے تمام مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے۔ اور ان کے بعد یہ زمین ان کے وارثوں میں بحصص شرعیہ منتقل ہو گی۔ خلیفہ کو ان سے واپس لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔ رسول اللہ صلعم نے اکثر اقطاعات اس طرح عطا فرمائے۔ حضرت سلیط انصاریؓ کو ایک زمین عطا کی تھی جو ان کی درخواست پر ان سے واپس لیکر حضرت زبیرؓ کو عطا فرمادی۔ اسی طرح حضرت زبیرؓ کو ایک زمین عطا کی جو ان کے وارثوں میں منتقل ہوئی۔ اسی طرح بلال بن حارث مزنی کو پوری وادی عقیق عطا فرمائی۔ [54]

(۲) دُوسری صورت یہ ہے کہ جس کو زمین دی جائے اس کو مالک نہ بنایا جائے بلکہ اس کو منافع اور آمدنی حاصل کرنے کا اختیار نسلاً بعد نسل دیا جائے اس صورت میں خلیفہ بلا شرعی جواز اس جاگیر دار یا اس کے وارثوں کو زمین سے بیدخل نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ اس زمین کو بے مصرف چھوڑ دیں اور خراج ادا نہ کریں تو ان سے لیکر دُوسروں کو دی جاسکتی ہے نیز اس صورت میں جاگیر دار یا اس کے وارثوں کو بیع و ہبہ یا وقف کا اختیار نہیں ہوتا، باقی تصرفات جن کا تعلق پیداوار سے ہے وہ سب جائز ہیں۔ وہ کتاب الاموال میں ہے کہ "حضرت تمیم داریؓ مسلمان ہوئے تو انہوں نے آنحضرتؐ سے وعدہ لیا کہ اگر اللہ نے مسلمانوں کو شام پر فتح دی تو ان کا گاؤں بیت لحم ان کو عطا کر دیا جائے گا آنحضرتؐ نے یہ گاؤں ان کو جاگیر میں دے دیا اور ایک فرمان لکھ دیا۔ عہد عمرؓ میں جب یہ فتح ہوا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو وہ فرمان دکھایا، حضرت عمرؓ نے فرمان کی تعمیل کی اور اس کو فروخت نہ کرنے کی شرط لگادی۔ چنانچہ وہ گاؤں آج تک اس خاندان کے قبضہ میں ہے۔ [55]

جاگیر دینے کی ایک صورت یہ ہے کہ جاگیر نہ اراضی بیت المال میں سے دی جائے نہ مملوکہ زمینوں کے خراج میں سے بلکہ غیر آباد زمین جن کو ارض موات کہا جاتا ہے دی جائیں۔ اس صورت میں یہ جاگیر ہر شخص کو دی جاسکتی ہے خواہ وہ مصارف بیت المال میں داخل ہو یا نہ ہو مسلم ہو یا غیر مسلم ہو یا ذمی ہو جس کو یہ جاگیر دی جائے گی اگر اس نے اس کو آباد کر لیا تو وہ اس رقبہ زمین کا مالک اور خود مختار ہو جائے گا اور ہر قسم کے مالکانہ تصرف کا مجاز ہو گا۔ امام اس سے صرف اس صورت میں زمین واپس لے سکتا ہے کہ جبکہ وہ اس کو تین سال تک بنجر رہنے دے کیونکہ اس صورت میں جاگیر دینے کا مقصد

فوت ہو جاتا ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ "افتادہ (غیر مملوکہ) زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے پھر ان کے بعد تمہارے لئے ہے جس شخص نے اس پر کاشت کرلی وہی اس کا مالک ہے[56] تین سال تک کاشت نہ کرنے کی صورت میں یہ حق چھن جاتا ہے۔[57]

حضرت بلال بن حارث مزنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑا "قطعہ" بطور جاگیر عطا کیا مگر وہ اس مقام پر کاشت کرنے سے معذور تھے اس لئے کافی اراضی بیکار پڑی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان سے کہا کہ اگر تم پوری زمین پر کاشت نہیں کر سکتے تو بقدر ضرورت رکھ لو باقی واپس کر دو تاکہ میں حاجت مند مسلمانوں میں تقسیم کر دوں، چنانچہ جس قدر اراضی کو وہ قابل کاشت بنانے سے عاجز تھے وہ واپس ہوئی اور حضرت عمرؓ نے اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔[58]

عہد نبویؐ میں جاگیر عطا کرنے کا رواج تھا۔ آنحضرتؐ نے قبیلہ مزینہ یا جہینہ کے چند لوگوں کو ایک زمین عطا کی لیکن ان لوگوں نے اس کو جوتنے بونے کی زحمت گوارا نہیں کی کچھ دوسرے لوگوں نے اس میں کاشت کاری کرلی۔ مزینہ یا جہینہ والوں نے اس کو واپس لینا چاہا، معاملہ حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے فیصلہ دیا کہ جو شخص کوئی زمین تین سال تک غیر آباد رکھے اور پھر کوئی دوسرا اس کو آباد کردے تو وہ دوسرا ہی اس زمین کا زیادہ حق دار ہوگا۔[59]

آنحضرتؐ نے یمامہ کے باشندے مجاعہ کو اس کی درخواست پر ایک فرمان خصوصی کے ساتھ یمامہ کی کچھ زمینیں عطا فرمائیں اور اسے ہدایت کی کہ "اگر تم سے کوئی شخص جھگڑا کرے تو میرے پاس آنا"۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مجاعہ بن مرارہ حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابوبکرؓ نے ایک اور زمین جس کا نام خضرآمہ تھا ان کو عطا فرمادی، پھر وہ حضرت عمرؓ کے دور میں ان کے پاس آئے، حضرت عمرؓ نے انہیں "ریا" نامی ایک اور زمین عطا کی۔ عہد عثمانی میں وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو ایک زمین عطا کی۔ حارث کہتے ہیں مجھے اس جگہ کا نام یاد نہیں رہا جو حضرت عثمانؓ نے ان کو عطا کی تھی۔[60]

اسی طرح رسول اللہؐ نے بلال کو ایک زمین جاگیر میں عطا فرمائی جس میں ایک پہاڑ تھا اور ایک کان تھی۔[61] بلال بن حارث کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے مجھے پوری (وادی) عقیق جاگیر میں عطا فرمائی تھی۔[62] جعفر بن محمد سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے حضرت علیؓ کو چار جاگیریں عطا فرمائیں 'ذوالفقیرین' میں، ایک بیر قیس میں اور ایک الشجرہ میں۔[63]

عروہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے زبیر کو الجرف سے قناۃ تک کا حصہ جاگیر میں عطا کیا۔[64] آنحضرتؐ نے تمیم بن اوس داری کو جیرون اور بیت عینون نام کے دو قریے عنایت

فرمائے تھے اور ایک فرمان کے ذریعہ اس کا اعلان بھی کر دیا۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پھر اس کی تجدید ہوئی اور آپ نے بھی قریب قریب اسی مضمون کا ایک فرمان صادر کیا۔[٦٥]

حضرت عمرؓ کے عہد میں جاگیر دینے کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ حضرت عمرؓ نے العقیق میں جاگیریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ ساری زمین بانٹ کر اس کے آخری حصہ میں پہنچے اور کہا: "میں نے آج تک ایسی بہتر زمین کسی کو نہیں دی۔" اس پر خوات بن جبیر الانصاری نے کہا: "یہ مجھے دید یجئے۔" اور انہوں نے وہ زمین ان کو دے دی۔[٦٦] عروہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ جاگیریں تقسیم کرنے نکلے اور حضرت زبیرؓ ان کے ساتھ تھے۔ زمین تقسیم کرتے کرتے حضرت عمرؓ ایک بہترین ٹکڑے پر پہنچے تو انہوں نے کہا کہ میں اب تک اس سے بہتر کسی ٹکڑے سے نہیں گذرا۔ الزبیرؓ نے کہا کہ یہ مجھے دے دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ زمین ان کو عطا کر دی۔[٦٧] حضرت عمرؓ نے پانچ صحابہ کو جاگیریں دیں: سعدؓ بن ابی وقاص، عبداللہؓ بن مسعود، خبابؓ، اسامہؓ بن زید۔ راوی کہتے ہیں میرے خیال میں پانچواں نام زبیرؓ تھا۔[٦٨] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں عام اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص بنجر زمینوں کو آباد کرے گا وہی اس کا مالک ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے سواد کی آٹھ قسمیں بیت المال کے لئے وقف کر دی تھیں۔ ابو عبید نے اس کی تفصیل لکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ: "ان زمینوں کی آمدنی ستر لاکھ تھی۔ یہ سب زمینیں وہ تھیں جہاں سے ان کے مالکوں کو جلاوطن کر دیا گیا تھا اور ان کو آباد کوئی کرنے والا کوئی نہیں رہا تھا اور ان کی دیکھ بھال کرنا امام کے سپرد تھا۔ حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان زمینوں کو مسلمانوں کو دیدیا جائے تاکہ وہ کارآمد بن جائیں اور آباد ہو جائیں اور خراج میں اضافہ ہو اور مسلمان اس زمین کی پیداوار پر وہ رقم ادا کریں جو مسلمانوں کی زمین کی پیداوار پر واجب ہوتی ہے۔[٦٩]

حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جو زمینیں عطا کیں ان میں "صفب"، "نہرین"، "قریہ ہرمز" شامل تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے وہ زمینیں لوگوں کو عطا کیں جن کا کوئی مالک نہیں تھا اور جو بنجر تھیں وہ ایسی ناکارہ زمینیں تھیں کہ ان کو قابل کاشت بنانا ایسا ہی تھا جیسے مُردے کو زندہ کرنا۔[٧٠] بہت سی دلدلی زمینیں تھیں، ان سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا، حضرت عثمانؓ نے وہ زمینیں بھی لوگوں کو دے دیں اور لوگوں نے محنت کر کے ان کو قابل کاشت بنا لیا۔[٧١] حضرت عثمانؓ نے عثمان بن ابو العاص کو بصرہ میں ایک زمین دی جو "شط" کے نام سے مشہور ہے اس وقت بصرہ کی تمام زمینیں غیر آباد اور ویران تھیں جہاں جھنڈ تھے، حضرت عثمانؓ بن ابو العاص الثقفی نے

اس زمین کو جوت بو کر کارآمد بنایا۔ یہ یہاں کی ناکارہ زمین تھیں جو حضرت عثمانؓ نے عطا کی تھیں۔[۲]
قاضی ابو یوسف لکھتے ہیں کہ "حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن مسعود کو بہترین مقام پر جاگیر دی۔ عمار بن یاسر کو "استیا" عطا کیا اور خباب کو صنعا میں زمین دی اور سعد بن مالک کو ہرمزان کا گاؤں عطا کیا۔ عبداللہ بن مسعود اور سعد اپنی زمینوں کی پیداوار کا تہائی حصہ یا چوتھائی حصہ بیت المال کو دیا کرتے تھے۔[۳]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ جاگیریں دینے کی ابتدا عہد رسالتؐ سے ہوئی اور خلفاءؓ نے اسے جاری رکھا۔ اس سلسلہ میں امام ابو یوسف لکھتے ہیں:

> "اقطاع (جاگیر دینے) کے بارے میں ان آثار سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بھی مختلف قوموں کو زمینیں دی ہیں اور آپؐ کے بعد خلفائے نے اس پر عمل کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس عمل میں یہ حکمت سمجھی کہ اس کے ذریعہ اسلام کے ساتھ قوموں کی رغبت بھی بڑھتی ہے اور زمین بھی آباد ہوتی ہے اور اس طرح آپؐ کے خلفاء اس کو اسلامی بیت المال کی رفاہیت و ترقی اور دشمن کو زک دینے کا سبب سمجھتے تھے۔ خوشحالی حکومت کے ساتھ رعایا کی وفاداری کا موجب ہوتی ہے۔"[۴]

سائز ۱۸×۲۲ سفید دبیز کاغذ، مضبوط ڈائی دار جلد، مجلد ۴۵/-

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ – ۴۰ صفحات، گلیز کاغذ۔ گرد پوش کارڈ خوبصورت
جلد ۲۴/- روپے

عمدہ دبیز کاغذ، سائز ۱۸×۲۲/۸، مضبوط اور خوبصورت ڈائی دار جلد ۵۱/-

شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے خطوط پر مشتمل پہلی تاریخی دستاویز

خلیق احمد نظامی
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

ادارۂ اسلامیات
۱۹۰۔ انار کلی ○ لاہور

عمدہ دبیز کاغذ، خوبصورت اور پائیدار مضبوط جلد قیمت ۲۵/-

طلب فرمایئے: **اِدارۂ اسلامیات**
۱۹۰۔ انارکلی۔ لاہور ۲
(فون۔ ۶۳۲۵۳)

محمد تقی عثمانی

سلطان محمد فاتح کے شہر میں

سفر استنبول کے تاثرات

(۲)

قصرِ یلدز میں:

ناشتے کے بعد مذاکرے کا پہلا عملی اجلاس تھا، یہ اجلاس سلطان عبدالحمید کے محل میں منعقد ہونے والا تھا جو قصرِ یلدز کے نام سے مشہور ہے۔ خلافت کے خاتمے کے بعد یہ محل کافی عرصے تک بند رہا، لیکن اب اس محل میں اسی "مرکز الأبحاث" کا مُستقر بنا دیا گیا ہے جس کے زیرِ اہتمام یہ مذاکرہ منعقد ہو رہا ہے۔

یہاں کئی گھنٹے مذاکرے میں مصروفیت رہی، بعد میں منتظمین نے "مرکز" کے مختلف دفاتر کا دورہ کرایا، مرکز کے سربراہ ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوگلو ایک علمی ذوق کے ترک نژاد نوجوان ہیں جو عربی اور انگریزی بہت بے تکلف بولتے ہیں، انہوں نے اس مرکز اور خاص طور پر اس کے کتب خانے کو بڑی خوش مذاقی سے ترتیب دیا ہے۔ اسلامی علوم کی کتابوں کا بڑا اچھا ذخیرہ نظر آیا، اور مختلف موضوعات پر بہت سے مصنفین کام کرتے نظر آئے۔

مرکز کے معائنے کے بعد قصرِ یلدز کے مختلف حصے بھی دکھائے گئے، یہ ایک سادہ سا محل ہے، جس میں شاہانہ ٹھاٹ باٹ کا کوئی انداز نظر نہیں آتا۔ سلطان عبدالحمید جو آخری دور میں خلافتِ عثمانیہ کے بڑے مغتنم خلیفہ تھے، یہیں رہا کرتے تھے، ان کے دفاتر بھی اسی عمارت میں تھے، تمام

عمارتیں بہت سادہ ہیں، اور تکلف و تصنع کا نام نہیں ہے۔

یہ محل استنبول کے وسطی علاقے میں ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے جہاں سے استنبول شہر بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اب محل سے باہر اس پہاڑی پر ایک تفریحی پارک بنا ہوا ہے۔ محل کے دروازے سے بالکل متصل ایک مسجد ہے جو سلطان عبدالحمیدؒ ہی نے تعمیر کی تھی، اور وہ اسی مسجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، ہم مذاکرے کے اجلاسات کے دوران اسی مسجد میں نمازیں پڑھتے رہے۔ یہ ایک خوبصورت مسجد ہے، اور ترکی کی مساجد کا مشترک سانچہ یہاں بھی جلوہ گر ہے۔ چونکہ یہ مسجد سلطان عبدالحمید کی یادگار ہے، اس لئے اس میں کئی یادگاریں بھی محفوظ ہیں۔ جن میں سب سے جلیل القدر یادگار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک ہے لیکن اسکی زیارت بھی ہر وقت نہیں ہو سکتی، اس کیلئے خاص تاریخیں مقرر ہیں۔

مسجد کے امام صاحب سے اس دوران اچھا خاصا تعارف ہو گیا تھا، ہم نے انکی کافی منتیں کیں کہ وہ شرکاءِ مذاکرہ کو اس مقدس تبرک کی زیارت کرا دیں، لیکن وہ قواعد و ضوابط کی وجہ سے مجبور اور معذور تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ خود خواہشمند ہیں کہ ہمیں اس سعادت سے بہرہ ور کریں، لیکن کر نہیں سکتے۔

اسی مسجد میں قرآن کریم کا ایک نہایت قدیم قلمی نسخہ بھی ہے جو خط کوفی میں لکھا ہوا ہے، اس پر لکھی ہوئی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوسری صدی ہجری میں لکھا گیا، اور ایک کونے پر "بخط حضرت علیؓ" بھی لکھا ہوا ہے۔ واللہ اعلم

منبر پر صنوبر کی بنی ہوئی ایک نفیس رحل رکھی ہوئی ہے جس پر ہاتھی دانت کا کام ہے۔ امام صاحب نے بتایا کہ یہ سلطان عبدالحمید کے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہے۔ سلطان عبدالحمید کو لکڑی کے کام کا بہت شوق تھا، اور مسجد کیلئے لکڑی کی کئی چیزیں انہوں نے اپنے ہاتھ سے بنائی تھیں۔

عام طور سے بادشاہ اور سربراہانِ مملکت مسجدیں محل کے اندر بنوایا کرتے تھے لیکن یہ مسجد محل کے دروازے سے باہر ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ سلطان عبدالحمیدؒ نے ایسی مسجد میں نماز پڑھنا پسند نہ کیا ہو جس میں عام لوگ داخل نہ ہو سکیں، اسی لئے اس مسجد کو باہر رکھا ہو۔ واللہ اعلم۔

اس محل میں تین دن مذاکرہ جاری رہا۔ بحیثیتِ مجموعی یہ ایک مفید مذاکرہ تھا۔ دُنیا کی مختلف زبانوں میں قرآنِ کریم کے جو ترجمے ہوئے ہیں، اُن پر مختلف ملکوں کے شرکا نے

مفصل تنقیدی مقالے لکھے تھے جو مذاکرے کی مختلف نشستوں میں پیش کیے گئے۔ ہر مقالے کے بعد اس پر مُناقشے کا موقع دیا گیا جس میں ترجمۂ قرآن کریم کے بارے میں بہت سے اصولی مسائل بھی زیرِ بحث آئے۔ مُناقشے کے دوران مختلف مسائل پر احقر کو بھی اظہارِ خیال کا موقع ملا، اور واقعہ یہ ہے کہ اس مذاکرے میں شرکت کے بعد پہلی بار اس کوتاہی کا نہایت شدت سے احساس ہوا کہ ہم مسلمانوں نے قرآن کریم کے ترجمے کا انتہائی اہم اور نازک کام کس طرح غیر مسلموں کے حوالے کر رکھا ہے، اور وہ اس میدان پر قابض ہو کر کس طرح اسلام کی تحریف اور اس کے بارے میں شکوک و شبہات کی آبیاری کر رہے ہیں۔ جو زبانیں دنیا میں زیادہ بولی جاتی ہیں، ان میں تو بحمد اللہ مسلمانوں کے ترجمے بھی منظرِ عام پر ہیں، لیکن کم بولی جانے والی زبانوں میں زیادہ تر غیر مسلموں کے تراجم ہی چھپے ہوئے ہیں۔ یہ تحقیق و تصنیف کیلئے ایک ایسا افق ہے جس کی طرف ابھی تک کسی مسلمان تنظیم یا ادارے نے کما حقہٗ توجہ نہیں دی، اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ کوئی بین الاقوامی ادارہ اس کام کا بیڑا اُٹھا کر استقامت کے ساتھ یہ فرضِ کفایہ انجام دے۔ اس مذاکرے کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ اس عظیم کام کی اہمیت و ضرورت سامنے آئی، اور حاضرین کے دل میں اس کام کا ایک جذبہ پیدا ہوا۔

مذاکرے کے اختتامی اجلاس میں ڈاکٹر اوگلو کی فرمائش پر مندوبین کی طرف سے "کلمۃ الوفود" کے طور پر احقر نے تقریر کی جس میں اس اہم اور ضروری کام کی تکمیل کیلئے کچھ مثبت تجاویز بھی پیش کیں جو مذاکرے کی سفارشات کا ایک حصہ بنیں۔ طے یہ ہوا کہ اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے "مرکز الابحاث" اور "جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ" مسلمانوں کی بڑی بین الاقوامی تنظیموں مثلاً "منظمۃ المؤتمر الاسلامی" اور "رابطۃ العالم الاسلامی" وغیرہ سے بات چیت کر کے اسے ایک منظم شکل دینے کی کوشش کرینگے۔

باربروسا:

مذاکرے کے دوران مختلف اداروں کی طرف سے شرکاءِ مذاکرہ کی دعوتیں بھی ہوتی رہیں جن کی وجہ سے شہر کے مختلف حصوں میں جانا ہوا، ایک دعوت ایک ایسے ہوٹل میں تھی جو باسفورس کے کنارے واقع تھا اور اس کے قریب سمندر کے ساحل پر ایک پلیٹ فارم جیسا بنا ہوا ہے، اور اسی کے بازو میں ایک مزار بھی ہے۔ رہنماؤں نے بتایا کہ یہ مزار مشہور ترک بحری مجاہد خیر الدین باربروسا کا ہے، اور یہ پلیٹ فارم ان کے زمانے میں بندرگاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ خیر الدین باربروسا تاریخ اسلام کے مشہور جہاز راں ہیں جن کے

بحری بیڑے نے سقوطِ اندلس کے بعد وہاں کے ستم رسیدہ مسلمانوں کو اندلس سے نکال کر مراکش اور الجزائر پہنچانے میں ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ بحرِ رومؔ ان کی ترکتازیوں کا مرکز تھا اور ان کی وجہ سے بحری مہمات کی تاریخ میں باربروسا کا نام زندۂ جاوید ہوگیا۔ اقبالؔ مرحوم نے غالباً انہی کے دور کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے ؎

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی

تاریخِ اسلام کے اس مایۂ ناز مجاہد کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

متفرق مصروفیات:

دارالعلوم کے ایک ترکی طالب علم کے بھائی خیراللہ دمرسی استنبول میں مقیم ہیں، اور تجارت کے علاوہ تبلیغی خدمات بھی انجام دیتے رہتے ہیں، وہ احقر کی آمد کی خبر سنکر تقریباً روزآنہ ہوٹل آتے رہے، اُن کی خواہش تھی کہ کسی وقت کھانا ان کے یہاں کھایا جائے۔ چنانچہ مذاکرے کے دوران ہی ایک روز دوپہر کا کھانا ان کے یہاں کھایا۔ یہ استنبول کا ایک اوسط درجے کا محلہ تھا، یہاں عام ترکی مسلمانوں سے ملاقات کا موقع ملا، ان سب کے دل اسلام کی محبت سے معمور دکھائی دیئے، اس محلے میں زیادہ تر خواتین باپردہ نظر آئیں۔ صفائی ستھرائی اور اندازِ زندگی کا سلیقہ ترکی قوم کا امتیاز ہے جو ان سب میں بدرجۂ اتم محسوس ہوا۔

خیراللہ دمرسی صاحب نے ترکی کھانوں کی خاص خاص چیزیں پکوانے کا اہتمام کیا تھا، اور قدیم ترکی انداز سے کھلانے کا بھی۔ فرش پر ایک بڑا سا تھال رکھدیا گیا، اس میں مختلف انواع کے کھانے تھے، اس تھال کے ارد گرد بڑے بڑے پیالے رکھے ہوئے تھے جن میں حسبِ منشار کھانا نکال کر کھایا جائے، کھانے سب بہت اچھے بنے ہوئے تھے، لیکن اُن کے نام یاد رکھنے کیلئے خاصی ریاضت درکار تھی جس کا موقع نہ مل سکا۔

سُنا کرتے تھے کہ عربی کتابوں کے ساتھ کمال اتاترک کی دراز دستیوں کے باوجود استنبول میں عربی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ عربی کتب سے پابندی اٹھنے کے بعد جگہ جگہ نادر کتابیں کوڑیوں کے مول فروخت ہوا کرتی تھیں، سالہا سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور دوسرے ملکوں کے اصحابِ ذوق یہاں سے جھولیاں بھر بھر کر کتابیں لے جاتے رہے، اب رفتہ رفتہ وہ بہتات تو ختم ہوگئی ہے، لیکن کتابوں کے کباڑیوں کے پاس اب بھی بڑے کام کی چیزیں مل جاتی ہیں۔

چنانچہ میں نے خیر اللہ دمرسی صاحب سے درخواست کی کہ وہ مجھے کسی قدیم کتب فروش کے پاس لے جائیں۔

اس طرح ہم استنبول کے قدیم بازاروں میں پہنچے، یہ بازار قسطنطنیہ کی اس قدیم فصیل کے اندر واقع ہے جس کا ذکر میں فتح قسطنطنیہ کے ذیل میں کرچکا ہوں، یہاں ایک بازار کی مسجد میں نماز عصر ادا کی، اور اس کے باہر کتابوں کی مختلف دُکانوں میں گئے، لیکن اندازہ یہ ہوا کہ عربی کتابوں کی بہتات کا وہ دَور گذر چکا، اب کسی کسی کتب خانے میں کچھ پُرانی کتابیں موجود ہیں، وہ بھی غیر اہم قسم کی۔ لہٰذا تقریباً گھنٹہ بھر کی تلاش کے بعد چار پانچ کتابوں سے زیادہ نہ خرید سکا۔

یہیں پر ایک چوک میں بنے ہوئے ایک مجسمے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خیر اللہ صاحب نے بتایا کہ یہ ابراہیم متفرقہ کا مجسمہ ہے، اور یہ وہ شخص ہے جس نے ۱۷۴۵ء میں (بارھویں صدی ہجری) میں پہلی بار پریس بنایا تھا۔

جامع ابوایوب انصاریؓ:

مذاکرے کے اختتام کے بعد اگلے دن منتظمین نے استنبول کے مختلف مقامات کی سیر کیلئے ایک اجتماعی پروگرام ترتیب دیا تھا۔ لیکن خیر اللہ دمرسی صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ میں اس اجتماعی پروگرام میں مقید ہونے کے بجائے اُن کے ساتھ دو دن گذاروں، کیونکہ بہت سے مقامات ایسے ہیں جو اس کے بغیر نہ دیکھے جاسکیں گے۔ چنانچہ وہ ۱۴ رجب کی صبح اپنے ایک رفیق کے ساتھ ہوٹل پہنچ گئے۔ ڈاکٹر یوسف قلیج بھی اپنی محبت کی بنا پر میرے ساتھ چلنے کے لئے ہوٹل آگئے۔ جب ہم چلنے لگے تو ہوٹل کی لابی میں ڈاکٹر اِرونگ (Irving) سے ملاقات ہوگئی۔ یہ مشہور امریکی نژاد نومسلم ہیں جنہوں نے انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے، اور اب احادیث کی کتابوں کا بھی ترجمہ کررہے ہیں، مذاکرے میں بھی ان سے ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں، پاکستان بھی کئی بار آئے ہیں۔ اُنہوں نے جب ہمارے علیحدہ پروگرام کے بارے میں سُنا تو دوسرے لوگوں کے ساتھ جانے کے بجائے ہمارے ساتھ جانے کی خواہش ظاہر کی، اس طرح ہم پانچ افراد ہوگئے۔

سب سے پہلے ہم جامع ابوایوب انصاریؓ جانا چاہتے تھے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقدس میزبان کا مزار بھی واقع ہے، کیونکہ استنبول میں سب سے زیادہ اشتیاق وہیں حاضر

ہونے کا تھا، یہ مقام ہمارے ہوٹل سے بہت دُور تھا، کیونکہ ہم باسفورس کے کنارے پر تھے اور یہ مزار استنبول کے انتہائی جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے۔ وہاں جاتے ہوئے راستے میں قسطنطنیہ کی وہ قدیم فصیلیں بھی قریب سے دیکھیں جو ناقابلِ تسخیر سمجھی جاتی تھیں، اور اب اُن کے کھنڈر ہی انکے ماضی کے شان وشکوہ کی داستان سُناتے ہیں۔ بالآخر خاصے طویل سفر کے بعد ہم جامع ابوایوب رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزارِ مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کسی مسلمان کیلئے محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ آپؓ کا نام خالد بن زیدؓ تھا۔ آپ مدینہ طیبہ کے قبیلۂ بنو خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ بالکل ابتداء میں مسلمان ہوگئے تھے، اور آپ ہی وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک مہینے تک آپؐ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ قصواء آپ ہی کے مکان پر آکر رُکی تھی۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق انہوں نے آپؐ کو نچلی منزل میں ٹھہرایا تھا، اور خود اپنی اہلیہ کے ساتھ اوپر کے کمرے میں مقیم تھے۔ ایک مرتبہ اوپر کے کمرے میں پانی گر گیا، آپ کو یہ خطرہ ہوا کہ یہ پانی کہیں ٹپک کر سرکارؐ کو تکلیف نہ پہنچائے، اس لئے آپ اور آپ کی اہلیہ چادر لیکر پانی کو جذب کرتے رہے۔

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شامل رہے، حضرت علیؓ نے آپ کو مدینہ منورہ کا گورنر بھی بنادیا تھا۔ لیکن پھر شوقِ جہاد میں آپ انہی کے پاس پہنچ گئے، اور خوارج کے خلاف جہاد میں ان کے ساتھ شامل ہوئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں جو پہلا لشکر قسطنطنیہ پر حملے کیلئے روانہ کیا، اس میں آپ بھی شامل تھے، جس کا تذکرہ شروع میں کرچکا ہوں۔ یہاں محاصرہ طویل ہوا تو آپ بیمار ہوگئے، یزید آپ کی بیمارپُرسی کیلئے حاضر ہوئے، اور آپ سے پوچھا کہ کوئی خدمت بتائیے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: "بس میری ایک خواہش ہے، اور وہ یہ کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھکر دشمن کی سرزمین میں جتنی دُور تک لیجانا ممکن ہو، لیجانا، اور وہاں لیجاکر دفن کرنا"۔ اس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی تو یزید نے آپ کی وصیت پر عمل کیا، اور قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔[۱]

---

[۱] الاصابہ ص ۴۰۵ ج ۱

تاریخ میں ہے کہ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد اہتمام کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبرِ مبارک کی تلاش شروع کی، اور ایک بزرگ کی نشان دہی پر اس جگہ وہ دستیاب ہوگئی۔ سلطان محمد فاتح نے "جامع ابوایوب" کے نام سے یہاں مسجد تعمیر کی[1]، اور اس وقت سے یہ جگہ زیارت گاہِ خاص وعام ہے، یہ پورا محلہ "ابوایوب" ہی کہلاتا ہے، مزارِ مُبارک پر لوگ اکثر بیٹھے ہوئے تلاوت کرتے رہتے ہیں۔

یہ مقدس صحابی جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف بخشا تھا، اپنے وطن سے ہزاروں میل دُور اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام لئے ہوئے اس دیارِ غربت میں راہیِ آخرت ہوئے اور زندگی کے آخری لمحوں میں بھی خواہش تھی تو یہ کہ اس کلمے کو لئے ہوئے دشمن کی سرزمین میں جتنی دُور تک جاسکوں، چلا جاؤں۔ وفات کے بعد صدیوں تک کسی کو آپ کی آخری آرام گاہ کا علم بھی نہ تھا، لیکن دیکھا جائے تو قسطنطنیہ کے اصل فاتح آپ ہی ہیں، آپ ہی کے ذریعے اس سرزمین پر پہلی بار اسلام کا کلمہ پہنچا، اور آپ ہی کے وسیلے سے اس خاک کو ایک صحابیِ رسول کا مدفن بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

جامع ابوایوب کو سلاطینِ آلِ عثمان نے ہمیشہ استنبول کا مقدس ترین مقام سمجھا، اور ہمیشہ یہ طریقہ جاری کیا کہ ہر نئے سلطان کی تاج پوشی اسی مسجد میں ہوا کرتی تھی جس کے لئے یہاں ایک مخصوص جگہ بنی ہوئی ہے۔ تاج پوشی کی رسم تاج پہننے کے بجائے سلطان عثمان خان کی تلوار نئے سلطان کی کمر میں باندھ کر ادا کی جاتی تھی۔

جامع ابوایوب سے باہر نکلیں تو ایک وسیع صحن ہے جس میں کبوتر بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں، اور لوگ اُن کو دانہ ڈالتے رہتے ہیں۔ اس میدان کے دائیں جانب ایک چبوترے پر چنار کے دو بہت بڑے درخت ہیں جو دیکھنے ہی سے بہت قدیم معلوم ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ درخت صحابۂ کرام کے زمانے کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

فاتح نماز گاہی:

جامع ابوایوب سے ہمیں خیر اللہ صاحب استنبول کے ایک اور قدیم علاقے میں لے گئے، یہ جگہ غیر آبادی ہے، جس میں کچھ کھنڈر نظر آتے ہیں، کچھ بوسیدہ مکانات بھی ہیں جن میں کچھ لوگ رہتے ہیں،

---

[1] تاریخ دولت عثمانیہ از ڈاکٹر محمد عزیر ص ۱۲۱ ج ۱۔

اس جگہ کو فاتح نماز گاہ بھی کہا جاتا ہے، اور مشہور یہ ہے کہ فتح قسطنطنیہ کے دن سلطان محمد فاتح نے اس جگہ دو رکعت نماز پڑھ کر آخری اور فیصلہ کن حملہ کیا تھا۔ یہاں ایک پرانا ستون بنا ہوا ہے جس پر کچھ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے، مگر پڑھی نہیں جاتی۔ کہتے ہیں کہ یہ سلطان محمد فاتح کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے، یہاں کسی زمانے میں ایک مسجد بنادی گئی تھی جو اب ٹوٹ پھوٹ گئی اور غیر آباد پڑی ہے۔

خشکی پر جہاز چلانے کی جگہ۔ قاسم پاشا:

یہاں سے ہم قاسم پاشا گئے، یہ گولڈن ہارن کا وہ کنارہ ہے جہاں سے سلطان محمد فاتح نے اپنے جہاز خشکی سے گذار کر سمندر میں اتارے تھے۔ یہ جگہ آج بھی کشتیوں کی چھوٹی بندرگاہ کے طور پر استعمال ہو رہی ہے اور یہاں ترکی بحریہ کی ایک چوکی بھی ہے، یہاں ہم گاڑی سے اترے اور اس سمت نظر ڈالی جہاں سے یہ جہاز لاکر سمندر میں ڈالے گئے تھے۔ یہ واقعہ تاریخ میں تو بار بار پڑھا تھا، اور اس پر تعجب بھی ہوا تھا، لیکن یہاں پہنچ کر تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس لئے کہ یہاں کھڑے ہو کر باسفورس کی اس سمت دیکھیں جہاں سے یہ جہاز لائے گئے تھے تو بیچ میں کئی بلند پہاڑ نظر آتے ہیں جو عرض میں دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سطح خشکی پر سے جہاز لیجانا بھی بذات خود بہت حیرت انگیز تھا، لیکن ان پہاڑوں پر جہازوں کو چڑھا کر اتارنا تو اس قدر محیر العقول ہے کہ اگر کوئی شخص اس علاقے کو دیکھ کر اس کا تصور کرے تو پسینہ آجائے۔ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ان پہاڑوں کو دیکھنے کے بعد کوئی شخص یہ ارادہ ہی کیسے کر سکتا ہے کہ وہ ان پر جہاز چڑھا کر لیجائیگا۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے سے کوئی کام لینا ہوتا ہے تو اس کو عزم و ہمت بھی عطا فرمادیتے ہیں۔ دس میل کے اس انتہائی ناہموار پہاڑی علاقے پر جہاز لیجانے کی تجویز کا ذہن میں آنا، اس پر عمل درآمد کا حوصلہ پیدا ہونا، اور ایک رات میں اس منصوبے کو پورا کر لینا یقیناً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ایک امتی کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا۔

یہیں سے "گولڈن ہارن" کا بھی قریب سے نظارہ کیا، یہ ایک مستطیل خلیج ہے، جو باسفورس سے مشرق میں خشکی کی طرف نکل آئی ہے۔ اور اس کی شکل سینگ کے مشابہ ہے، کسی نے قسطنطنیہ کی فصیل سے طلوع آفتاب کے وقت اسے دیکھا تو سورج کی کرنوں کی وجہ سے اس کا رنگ سنہرا نظر آرہا تھا، اس لئے اس نے کہا کہ یہ ایک "سنہرا سینگ" ہے، اس وقت سے اس کا نام "گولڈن ہارن" (سنہرا سینگ) مشہور ہوگیا جسے عربی میں "القرن الذھبی" اور فارسی میں "شاخ زریں" بھی کہا جاتا ہے۔ استنبول کی بندرگاہ بھی اسی خلیج میں واقع ہے، اور یہ شہر کے شمالی اور جنوبی حصوں کے درمیان

حدِ فاصل ہے، اور ایک حصے سے دوسرے حصے میں جانے کے لئے اس پر کئی پُل بنے ہوئے ہیں جن پر ہر وقت ٹریفک کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔

برج غلاطہ:

یہاں سے ہم لوگ استنبول کے قدیم ترین بُرج "غلاطہ" گئے۔ یہ ایک نہایت قدیم ٹاور ہے، جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ ۵۰۰ء میں (یعنی تقریباً ۱۴۸۰ سال پہلے) رومی حکومت نے جہازوں کی رہنمائی کیلئے لائٹ ہاؤس کے طور پر تعمیر کیا تھا، اور شاید اپنے زمانے میں بلند ترین ٹاور سمجھا جاتا تھا، بعد میں اس کی توسیع و مرمت ہوتی رہی ہے، اب بھی باہر سے اس پر قدامت کے آثار نمایاں ہیں، لیکن ابھی تک یہ پوری طرح قابلِ استعمال ہے۔ یہ ٹاور مسلمانوں کی فتحِ قسطنطنیہ سے پہلے شہر سے باہر گولڈن ہارن کے شمالی ساحل پر واقع تھا۔ اور یہاں یورپ کے تجار آباد تھے۔ اس بستی کا نام غلاطہ (Galata) تھا۔ اسی کے نام پر یہ بُرج موسوم ہے۔

یہ دس منزلہ بُرج ہے۔ اب اوپر جانے کیلئے اس میں لفٹ لگی ہوئی ہے جو ساتویں منزل تک جاتی ہے، اس کے بعد تین منزلیں زینے کے ذریعے طے کی جاتی ہیں، یہاں سے استنبول کا نظارہ بڑا دلکش ہے۔ جس جگہ لفٹ جاکر ختم ہوتی ہے، وہاں ایک متوسط سائز کا کمرہ ہے جس میں کچھ آثارِ قدیمہ محفوظ ہیں۔ اسی کمرے کی ایک دیوار پر چمڑے کے بنے ہوئے دو پَر لٹکے ہوئے ہیں، اور ان کا تعارف کراتے ہوئے برابر میں ترکی اور انگریزی زبان میں ایک عبارت لکھی ہوئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ پَر اُس مسلمان مہم جو حذافین احمد کے بنائے ہوئے ہیں جس نے ان پَروں کے ذریعے سترھویں صدی عیسوی میں فضا میں اُڑنے کا کامیاب تجربہ کیا تھا۔ اس شخص نے سلطان مراد چہارم کے زمانے (۱۶۲۳ء تا ۱۶۴۰ء) میں بُرج غلاطہ سے ان پَروں کے ذریعے باسفورس پر پرواز کی تھی۔ اور باسفورس کے ایشیائی ساحل اسکودار سے ہوتا ہوا ایک مقام اسکوتاری تک چلا گیا تھا، گویا تقریباً آٹھ میل کا فاصلہ اُس نے اُڑ کر طے کیا تھا[1]۔

جامع سلیمانیہ:

یہاں سے ہم استنبول کی مشہور تاریخی مسجد جامع سلیمانیہ

---

[1] تاریخ میں انسان نے پَر لگا کر ہوا میں اُڑنے کے بہت سے تجربے کئے ہیں۔ غالباً سب سے پہلا تجربہ عربی کے مشہور لغوی اسمٰعیل بن حماد جوھری نے کیا تھا لیکن یہ تجربہ ناکام رہا، اور وہ اسی تجربے میں ہلاک ہوئے۔

دیکھنے کیلئے گئے۔ یہ مسجد اپنی وسعت کے لحاظ سے استنبول کی سب سے بڑی مسجد ہے، اور فنِ تعمیر کے لحاظ سے دُنیا کی گنی چُنی مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ یہ مشہور عثمانی خلیفہ "سلیمانِ اعظم" کے دور میں تعمیر ہوئی تھی جو ترکی خلافت کے انتہائی عروج کا زمانہ تھا، اُس دَور کے شہرۂ آفاق معمار "زینان" نے اس کی تعمیر میں اپنے فن کی تمام صلاحیتیں صَرف کردی تھیں۔ یہ وہی زینان ہے جس کا نام سول انجینئرنگ کے میدان میں آج بھی مشہور و معروف ہے۔ سلیمانِ اعظم کے حکم پر زینان نے یہ مسجد دسویں صدی ہجری/ سولھویں صدی عیسوی، میں تعمیر کی تھی، اور اس کا سنگِ بنیاد شیخ الاسلام ابو السعود آفندی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا۔

مسجد کے مرکزی دروازے کے ساتھ ہی دائیں جانب وضو کا بہترین انتظام ہے۔ نمازِ ظہر کا وقت ہوچکا تھا، ہم نے یہیں پر وضو کیا، اور نمازِ ظہر اسی مسجد میں ادا کی۔

دُنیا بھر کے بیشمار اقسام کے پتھروں سے مزین یہ مسجد ایک وسیع ہال پر مشتمل ہے، جس کی ہر جانب میں فنکاری کے دلآویز نمونے جلوہ گر ہیں، کہتے ہیں کہ جو پتھر اس مسجد میں استعمال کئے گئے ہیں، انہیں یہاں تک لانے کیلئے بار برداری کا خرچ اُن کی اصل قیمت سے زیادہ ہوتا تھا۔ اکثر پتھر ۱۵۰۰ کیلوگرام کے ہوتے تھے، جو بیل گاڑیوں میں لائے جاتے تھے، اور بعض اوقات زیادہ وزنی پتھروں کو منتقل کرنے کیلئے بیلوں کی دس دس جوڑیوں پر مشتمل گاڑیاں استعمال کی جاتی تھیں۔

مسجد کے منبر اور محراب سلطان احمد کی طرح انتہائی پُرشکوہ ہیں۔ یہ ہال ۶۹ میٹر لمبا اور ۶۳ میٹر چوڑا ہے، اور اس میں ۱۳۸ کھڑکیاں ہیں۔ ہال میں جگہ جگہ ایسی شمعیں آج بھی نصب ہیں جو کم از کم ۱۰-۱۰ فیٹ اونچی اور ۳-۳ فیٹ موٹی ہیں، رات کے وقت ان شمعوں سے روشنی کی جاتی تھی، لیکن اس بات کا اندیشہ تھا کہ شمعوں سے اُٹھنے والا دھواں دیواروں کو خراب کردیگا، اس لئے شمعوں کے اوپر خوبصورت چمنیاں بنائی گئی تھیں جو سارا دھواں اپنے اندر پیدا کرنے والا یہ دھواں بھی بیکار نہ جائے، چنانچہ اس دھویں سے جو سیاہی پیدا ہوتی تھی، اُس سے لکھنے کے لئے روشنائی تیار کی جاتی تھی۔

تاریخ میں ہے کہ جس زمانے میں اس مسجد کی تعمیر ہورہی تھی، اس زمانے میں کسی وقت کسی مجبوری سے کچھ دن کیلئے تعمیر کا کام روکنا پڑا۔ ایران کے بادشاہ طہماسپ کو اطلاع ہوئی تو اُس نے اپنے ایک ایلچی کے ذریعے سلیمانِ اعظم کے پاس بہت بھاری رقم اور کچھ قیمتی جواھر ارسال کئے، اور پیغام بھیجا کہ اس مسجد کی تعمیر میں ہم بھی حصّہ لینا چاہتے ہیں، اس لئے یہ رقم اور جواھر فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد میں لگائی جائے۔

جب ایلچی سلیمان اعظم کے پاس پہنچا تو اُس نے وہ رقم فوراً مساکین کو تقسیم کرنے کے لئے

زیناں کو یہ شبہ بھی تھا کہ ان اہلِ کلیسا نے اس پتھر میں کوئی شرارت نہ کی ہو، چنانچہ اس نے ایک روز امتحاناً اس پتھر کو کسی خاص مسالے سے گھس کر دیکھا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ گھسنے کے بعد اسی پتھر کے اندر سیاہ رنگ کی ایک صلیب کا نشان بنا ہوا نمودار رہا، یہ پتھر جامع سلیمانیہ کی دہلیز میں نصب ہے۔

اپنے کسی آدمی کے حوالے کی اور سفیر سے کہا کہ: "تم لوگ نماز تو پڑھتے نہیں ہو، پھر تمہاری رقم مسجد میں کیسے لگائی جائے"۔ اور جواہر کے بارے میں حکم دیا کہ "ہم نے مسجد کے میناروں میں انواع واقسام کے پتھر استعمال کئے ہیں، یہ جواہر مینار کے پتھروں کے طور پر استعمال کئے جائیں"۔ سفیر یہ سنکر بھونچکا رہ گیا، لیکن سلیمانِ اعظم نے اپنے اسی فیصلے پر عمل کیا۔

ہمارے رہنما خیر اللہ دمرسی صاحب نے اسی دور کا ایک اور عجیب واقعہ سنایا۔ اور وہ یہ کہ جامع سلیمانیہ کی تعمیر کے دوران یورپ کے کسی ملک (غالباً اٹلی) کے ایک کلیسا نے اپنے ملک کے سرخ سنگ مرمر کی ایک بہترین سِل تحفے میں بھیجی، اور یہ خواہش ظاہر کی کہ یہ سِل اس مسجد کی محراب میں لگالی جائے۔ جب سِل پہنچی تو زیناں معمار نے سلیمانِ اعظم سے کہا کہ میں یہ سِل محراب میں لگانا مناسب نہیں سمجھتا، اگر آپ فرمائیں تو اسے مسجد کے ایک دروازے کی دہلیز میں لگا دیا جائے، سلیمانِ اعظم نے اس رائے کو پسند کیا، اور وہ پتھر دہلیز میں لگا دیا گیا۔

زیناں کو یہ شبہ بھی تھا کہ ان اہلِ کلیسا نے اس پتھر میں کوئی شرارت نہ کی ہو، چنانچہ اس نے ایک روز امتحاناً اس پتھر کو کسی خاص مسالے سے گھس کر دیکھا کہ اس کے اندر کیا ہے؟ گھسنے کے بعد اسی پتھر کے اندر سیاہ رنگ کی ایک صلیب بنی ہوئی نمودار ہوئی۔ یہ پتھر آج بھی دروازے کی دہلیز میں نصب ہے، اور اس میں صلیب کا نشان آج بھی نظر آتا ہے، جو اب قدرے دھندلا گیا ہے، لیکن پھر بھی خاصا واضح ہے، جو اُن اہلِ کلیسا کے مکر وفریب اور مسجد کے معماروں کی فراست وبصیرت کی گواہی دے رہا ہے۔

مسجد کے باہر ایک احاطے میں بہت سی قبریں بنی ہوئی ہیں، جن میں سے ایک قبر سلیمانِ اعظم کی بھی ہے۔ ان کے مزار پر بھی حاضری ہوئی۔

(جاری ہے)

امانی الاحبار شرح معانی الآثار (عربی)
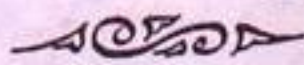
از امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

صاحبزادہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی تبلیغی جماعت)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

فرماتے ہیں کہ شرح معانی الآثار از امام طحاویؒ، حدیث کے فن میں یہ ہائی کورٹ کا درجہ رکھتی ہے ایسی عظیم الشان کتاب کی شرح بھی اتنی ہی شاندار ہونی چاہئے۔ سو الحمد للہ مولانا نے اس کا حق ادا کر دیا ہے۔

کتاب ھٰذا کی چند خصوصیات

اس شرح کے شروع میں ۶۸ صفحات پر کتاب کا عظیم الشان مقدمہ ہے جس کے دو باب ہیں۔ پہلے باب میں ۱۶ سولہ فائدے ہیں۔ اور دوسرے باب میں دو فائدے ہیں۔ پہلے باب کے فوائد میں امام طحاوی اور ان کی کتاب کے متعلق تفصیلی کلام کیا ہے اور دوسرے باب کے دو فوائد میں سے ایک میں سند کا ذکر ہے اور دوسرے فائدہ میں ان امور کا ذکر ہے جن کا اہتمام و التزام مصنف نے اس کتاب میں فرمایا ہے۔ تقریباً چھتیس ۳۶ صفحات پر کتاب کے اسماء الرجال اور اشارات کی فہرست ہے جو خود مستقل ایک اہم عنوان ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری فرماتے ہیں کہ میری رائے میں یہ کتاب فن حدیث میں اسلاف کے طرز پر نہایت عمدہ اور غیر فانی شاہکار ہے۔ (تذکرہ امیر تبلیغ صفحہ ۵۶) پاکستان میں پہلی بار طبع ہو چکی ہے۔ عمدہ آفسٹ کاغذ عمدہ طباعت خوبصورت چار جلدوں میں قیمت کل سیٹ ۴۰ روپے

اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ (عربی ٹائپ) از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (مہاجر مدنی)

کامل پندرہ حصے دس جلدوں میں۔ قیمت کامل سیٹ ۱۳۴۰ روپے

تفسیر بغوی المسمیٰ معالم التنزیل (بیروت کے اعلیٰ ترین جدید ٹائپ کے نسخہ کا عکسی فوٹو)

امام ابن تیمیہؒ نے تفسیر قرطبی و کبیر پر اس تفسیر کو ترجیح دی ہے۔ آفسٹ کاغذ۔ عمدہ طباعت کامل سیٹ چار جلد۔ قیمت ۵۰۰ روپے

مختصر القدوری مع حاشیہ توضیح الضروری حاشیہ حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ آفسٹ کاغذ۔ قیمت ۴۰ روپے

ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی
نائب مفتی دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

مجالس حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدینہ سے افراد کا احرام باندھنا

فرمایا:- پاکستان سے حج کے لئے شوال یا اس کے بعد جانا ہو تو مکہ معظمہ عمرہ کا احرام باندھ کر چلا جائے۔ جب مدینہ سے آئے تو ذی الحجہ کے قریب وہاں سے صرف افراد کا احرام باندھ کر آئے۔

منیٰ میں چار کام کرنا

ارشاد:- مزدلفہ سے واپسی پر منیٰ میں چار کام کرنے ہوتے ہیں۔ اور پہلے دن ان کا کرنا افضل لکھا ہے۔ رمی جمرہ عقبہ قربانی، سر منڈانا، طواف زیارت کرنا، اگر ان کو سہولت کی بنا پر اس طرح کر لیا جائے تو مکروہ بھی نہیں ہے کہ دسویں تاریخ کو صرف رمی کر لے۔ گیارہویں تاریخ کو فجر کے بعد جا کر قربانی کرائے۔ پھر طواف زیارت کر لے۔ زوالِ شمس کے بعد سے غروبِ شمس کے درمیان رمی کر لے۔ یہ تمام کام آسانی سے بلا کراہت ادا ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح عرفات کے وقوف میں جبلِ رحمت پر جانا افضل لکھا ہے۔ مگر آنے جانے میں دُعا اور پڑھنے پڑھانے میں کمی ہو جاتی ہے۔

سعی میں مناجاتِ مقبول پڑھنا

ارشاد:- میں اور اہلیہ جب سعی کرتے تو عربی والی مناجاتِ مقبول میں لے لیتا اور اردو کی اُن کو دیدیتا تھا۔ چونکہ مسعیٰ پر صرف مَردوں کو دوڑنا ہوتا ہے اور اب خلاصہ جگہ ہو گئی ہے اس لئے ان سے کہا تم خود چلتی رہو۔ میں علیحدہ چلوں گا۔ عورتوں کے لئے دوڑنے کا حکم نہیں ہے۔ اور آتے جاتے دکھلائی دیے جاتے ہیں، کوئی دقت نہیں۔

ارشاد :- حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حج کے بارے میں ایک تو الحج المبرور وعظ ہے

رعایت کرنے والے سے رعایت کرنا، اور ایک العج والثج ہے

ایک صاحب پان کی ڈبیہ پر پالش کرا کر لائے تو حضرت والا نے فرمایا اس کی اُجرت دیدی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ پالش کرنے والا جاننے والا آدمی ہے اس نے پیسے نہیں لئے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جاننے کا حق صرف ایک طرف تو نہیں ہے۔ تم بھی کبھی جاننے کا حق ادا کرتے ہو۔ یا وہی پٹتا رہے۔ کبھی ایک آنے کی بجائے دو آنے تم بھی دیدیا کرو اس بنا پر کہ یہ جاننے والا ہے۔

سلطان الاذکار کا مطلب اور پاس انفاس کا طریقہ

ارشاد :- سلطان الاذکار کا مطلب یہ ہے کہ ہمہ وقت ذکر ہوتا رہے کوئی وقت ذکر سے خالی نہ ہو۔
پاس انفاس کے متعلق فرمایا حضرت شاہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا تھا کہ اندر سانس جائے تو اَلّٰہ (اتنا کہے)، جب وہی سانس باہر آئے تو ھُ کہے۔ بس ہر ایک سانس میں اَللّٰہُ سانس کے ساتھ کرتا رہے۔ مشق ہو جانے کے بعد خود بخود نکلنے لگتا ہے اور جو بات مشقت کے بعد عادت ہو جاتی ہے اس کا ثواب ملتا رہتا ہے ہاں بلا اختیار عمل ہو تو اس پر ثواب نہیں ملتا حدیث میں ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اور نیت ارادے اور قصد کا نام ہے۔

دُعاء استخارہ کا مطلب

ارشاد :- دعائے استخارہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعائے خیر کرتا رہے۔ استخارہ کرنے کے بعد ندامت نہیں ہوتی۔ اور یہ مشورہ کرنا نہیں ہے مشورہ تو دوستوں سے ہوتا ہے۔ استخارہ سُنّت ہے۔
اس کی دعا مشہور ہے اس کے پڑھ لینے سے سات روز کے اندر اندر قلب میں ایک رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ خواب میں کچھ نظر آنا یا یہ قلبی رجحان حجت شرعیہ نہیں ہیں کہ ضرور ایسا کرنا ہی پڑے گا۔
اور یہ جو دوسروں سے استخارہ کرایا کرتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے عملیات مقرر کرلئے ہیں دائیں طرف یا بائیں طرف گردن پھیرنا یہ سب غلط ثابت ہوئے ہیں۔ ہاں دوسروں سے کرالینا گناہ تو نہیں لیکن خود کرنا چاہیئے۔ اس دعا کے صیغے ہی ایسے ہیں۔
فرمایا میں تو چھوٹا سا استخارہ پڑھ لیتا ہوں۔ نماز کے بعد یا سوتے وقت اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ گیارہ مرتبہ پڑھ لیتا ہوں اور یہ حدیث میں آیا ہے۔

مالِ تجارت کی کونسی قیمت زکوٰۃ میں مُعتبر ہے

ارشاد :- کسی صاحب نے دریافت کیا کہ میں نے تجارت کرنے کی نیت سے مکان تعمیر کرایا ہے تو اس کی قیمت کا کس طرح اندازہ لگاؤں۔ زکوٰۃ دینی ہے؟
فرمایا ہر تجارتی چیز کا اصول یہ ہے کہ جس روز زکوٰۃ نکالتی ہے اس روز یہ دیکھے کہ بآسانی یہ کتنے میں بک سکتی

ہے۔ اگر بازار میں بیچیں تو کتنے میں بکے گی۔ وہ قیمت لگائی جائے۔ مکان اگر رہنے کے لئے ہے۔ کوئی چیز استعمال کے لئے ہے یا کرائے پر چلاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ اگر فروختگی کے لئے ہے تو اس پر زکوٰۃ ہے۔

تصوف میں اصل چیز تہذیب اخلاق ہے

ارشاد:۔ اس راہ میں اصل وظائف نہیں بلکہ تہذیب اخلاق ہے۔ جب آدمیت آجائے تو بہت جلد وصول ہو جاتا ہے۔ اور جب تک آدمی رگڑے نہ کھائے آدمی نہیں بنتا اور رگڑے شیخ کے پاس لگتے ہیں۔ اس کے کام دھندہ کرنے، اس کی خدمت کرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے میں غلطیاں معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان ہی باتوں پر تنبیہ کی جاتی ہے۔ کسی کو علم غیب تو ہے نہیں اور نہ برکت ہے یہاں تو حرکت کی ضرورت ہے۔

حق تعالےٰ تک پہنچنے کا طریقہ ہر شخص کے لئے ہے

ارشاد:۔ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گیا تو ایک مایوسانہ انداز میں کہا کہ لوگ اس راہ پر بڑے مجاھدہ کرتے ہیں، میرے پاس تو مشاغل بہت ہیں اور کمزور آدمی ہوں اور جی یہ چاہتا ہے کہ جیسے اور لوگ سلوک طے کرتے ہیں مجھے بھی کچھ حاصل ہو جائے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس سلوک کے طے کرنیکا کوئی خاص ایک طریقہ تو ہے نہیں بلکہ طرق الوصول الی اللہ بعدد الانفاس ہیں یہ تو ضعیف کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہمت ہوئی پھر تھوڑا سا پڑھنے کو بتلادیا کہ اس کے پڑھنے میں دیر ہی نہیں لگتی۔ پھر بہت دن تک کئی دفعہ عرض کیا کہ اور کچھ بتلادیں فرمایا وہی کافی ہے۔ بالآخر سب کو ذکر کرتے دیکھا تو اور شوق بڑھا تب جا کر ذکر بڑھایا ورنہ وہی کافی ہو جاتا۔

شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کا طریقہ

ارشاد:۔ شیخ سے مناسبت پیدا کرنی چاہیئے تب جا کر کچھ حاصل ہوتا ہے اور شیخ کی مناسبت اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ شیخ کے عادات و اخلاق دیکھ کر ویسے ہی اخلاق و عادات اپنے اندر پیدا کرے۔ (یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔)

سلوک کا خلاصہ

ارشاد:۔ سارے سلوک کا خلاصہ سنّت کی پیروی کرنا ہے اور کچھ نہیں۔

راہ سلوک میں مجاھدہ کی ضرورت

ارشاد:۔ حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ابوسعیدؒ کا واقعہ بیان فرمایا۔ ابتدا یہ تھی کہ فاقہ ہوتا تھا۔ بھوک میں آکر جب صاحبزادے عرض کرتے تو

فرماتے گھبراؤمت ۔ دیغ چڑھ رہی ہے وہ پوچھتے کہاں ؟ فرماتے جنت میں ۔اس حالت میں بھی سلطان عالمگیرؒ نے دو گاؤں کی دستاویز لکھ کر بھیجی کہ یہ خانقاہ کے گزارے کے لئے ہے جب قاصد لے کر پہنچا تو فوراً پھاڑ کر پھینک دی اور حمام میں ڈالدیا اتنا استغنا رتھا پھر جب فتوحات ہوئیں تو صاحبزادے شہزادے ہوگئے اور بلخ میں سلطان نظام الدینؒ سے میراث لینے گئے تھے تو انہوں نے ان کو خوب رگڑے دیئے تب خلافت دی ۔

ارشاد :۔ حضرت سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دو آدمی مرید ہونے کو آئے تو حوض پر جاکر یہ گفتگو کی حضرت سلطان جیؒ سن رہے تھے ایک نے کہا کہ یہ حوض ہمارے حوض سے بڑا ہے ۔حضرت نے فرمایا کیا تم اپنا حوض ناپ کر آئے ہو انہوں نے کہا نہیں ۔ فرمایا پھر بڑا کیسے کہدیا جاؤ پہلے اپنے حوض کو ناپ کر آؤ پھر اسے ناپو ۔تب مرید کروں گا ۔ بس دور سے آئے تھے واپس گئے پھر واپس آئے اس مشقت میں قلب کی صفائی ہوگئی ۔

دین کی اصل فکر کیا ہے

ارشاد :۔ اصل دین کی فکر یہ ہے کہ دیکھے مسلمان کس کس غلطی میں مبتلا ہیں ان کو تبلیغ کرے ۔اصل فکر یہ ہے کہ یہ دین کس طرح پھیلے ورنہ نری مدرسی سے کیا ہوتا ہے ایک پیٹ کا دھندا ہے ۔

ارشاد :۔ فتوے میں دیکھتا رہے کہ عام مسلمانوں کو نفع پہنچے ان کو ضرر سے بچایا جائے ۔
مولانا منفعت علی فرماتے تھے کہ یہ نماز یہ لباس ۔ ڈاڑھی روزہ یہ لوگوں کی ڈر کی وجہ سے ہے کہ بدنام کریں گے ۔ اللہ واسطے کیا کام کرتے ہو دیکھنا یہ ہے ۔

ارشاد :۔ تبلیغ دین اس لئے پڑھوائی تھی کہ آدمی اپنے عیوب تلاش کریں ۔ خالی مطالعہ مقصود نہیں ہے ۔جو غلطیاں مسلمان کریں اسے بیان کرے اور ان کو اس کا صحیح طریقہ بتلائے ۔

من یشاء کی دو تفسیریں

ارشاد :۔ مشہور یہ ہے کہ و لکن اللہ یھدی من یشاء میں یشاء کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنا چاہیں اس کو ہدایت فرمادیتے ہیں یہ عقیدہ بالکل درست ہے مگر بعض کج فہم لوگ اس سے جبر او ترکِ سعی پر استدلال کرنے لگتے ہیں ۔ سو اس کا جواب یہ ہے اور یہ جواب اغیار کے لئے ہے کہ ضمیر مَن موصول کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص ہدایت چاہے اس کو ہدایت دیدیتے ہیں یہ تفسیر اگرچہ منقول نہیں مگر دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ انلزمکموھا و انتم لھا کارھون یعنی وہ خود تمہارے اوپر ہدایت کو چپکاتے نہیں ہیں تم ارادہ کرو تب وہ ہدایت دیں گے ۔
اس پر اشکال یہ ہوگا کہ خود بندے کا ارادہ بھی تو ان کی مشیت پر موقوف ہے وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو پہلے سے تو معلوم نہیں کہ فلاں کام میں اللہ تعالیٰ

کی کیا مشیت ہے. پہلے تم مشیت کرو ارادہ کر کے تمام کرو اس کے بعد معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس طرح تھی. اسی طرح تم اوامر و نواہی پر عمل کرنا شروع کرو. بعد میں معلوم ہو جائے گا کہ مشیت الٰہی یہ تھی. ارادہ کرو شرع کے مطابق عمل کرو تمہارا یہی کام ہے. آگے اللہ کی مشیت ہے ترک عمل کا نام مشیت نہیں ہے.

اور الزامی جواب یہ ہے کہ دنیاوی افعال میں تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اللہ کو منظور ہو گا تو دنیا کا کام ہو جائے گا. ہمارے ارادے اور مشیت سے کیا ہوتا ہے یہاں ایسا نہیں کرتے. تو معلوم ہوا کہ یہ محض نفس کی شرارت ہے

تقدیر کی حقیقت معلوم کرنا گناہ ہے

تقدیر کے مسئلہ کی کنہ اور حقیقت معلوم کرنا گناہ ہے اور اس کی علت اس کی ممانعت ہے. تقدیر کے مسئلے میں گفتگو کرنے کی ممانعت ہے اور ممانعت ہی سبب گناہ ہے ہاں جتنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے. اتنا اعتقاد رکھو باقی اس کی اصل حقیقت اللہ کے سپرد کرو. والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولوا الالباب.

بعض نے تو یہاں تک کہا ہے کہ تقدیر کے کنہ تو جنت میں بھی معلوم نہ ہو گی کیونکہ یہ صفات خداوندی کا مسئلہ ہے اور صفت کی کنہ ذات کی کنہ معلوم ہونے پر موقوف ہے اور یہ ثابت ہو چکا کہ ذات باری کی کنہ کا علم ہو نہیں سکتا اس لئے تقدیر کے مسئلہ کی کنہ بھی معلوم نہیں ہو سکتی.

عنقا شکار کس نشود دام باز چین — کیں جا ہمیشہ باد بدست است دام دار

جس طرح عنقا کا کوئی شکار نہیں کر سکتا اس کے لئے جال پھیلانا. کوشش کرنا لاحاصل ہے اسی طرح ذات باری کے ادراک کی فکر کرنا اور سوچ بچار کرنا لاحاصل ہے. کل ما خطر ببالک فھو ھالک واللہ اعز من ذالک

اے برادر بے نہایت درگہیست — ہرچہ بروے میرسی بروے مایست
اندریں رہ رنجہ می آید بدست — حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

نھایۃ اقدام العقول عقال — وغایۃ سعی العالمین ضلال
ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا — سوی ان جمعنا فیہ قیل وقال

ہم کو تو محسوسات ہی کا علم نہیں پہلے عقلاء کہتے تھے کواکب بسیط ہیں اب کہتے ہیں ان میں آبادی ہے پتہ نہیں کون صحیح کہتا ہے.

تقدیر کا مسئلہ یوں سمجھ لو کہ نہ تم مجبور محض ہو نہ مختار محض ہو. جس طرح دنیا کے کاموں میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھتے. دین کے کاموں میں بھی کوشش کرو.

انبیاء در کار دنیا جبریہ اند — کافران در کار عقبیٰ جبریند
انبیاء در کار عقبیٰ اختیار — کافراں را کار دنیا اختیار

علم پر ناز نہ کرو!

ارشاد:- اگر کسی کو اپنے علم پر ناز ہو تو سن لے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر تو کسی کو علم عطا

نہیں ہوا ۔ حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں ولئن شئنا لنذھبن بالذین اوحینا الیک یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو دیئے ہوئے علوم وفقہ سلب کرلیں ۔ ثم لا تجد لک به علینا وکیلا پھر آپ کا کوئی کارساز بھی نہیں ہو سکتا دیکھئے کتنا ہولناک خطاب ہے ۔ آپ ڈر گئے ہوں گے اس لئے آگے فرمایا الا رحمة من ربك بس رحمتِ خداوندی ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا ۔ اگلے کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو بڑی خشیت ہو گئی تھی اس لئے آگے جملہ بڑھایا ان فضله کان علیك کبیرا چونکہ حق تعالیٰ کا فضل آپ کے شاملِ حال ہے اس لئے بالفعل رحمت آپکی دستگیر ہے ۔ آپ کسی طرح کا اضطراب نہ کریں ۔ ایسا ہوگا نہیں ۔ محض اظہار قدرت اور تصحیح عقیدۂ امت کے لئے ایسا فرمایا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ گفتگو ہے تا بدیگراں چہ رسد ۔ علم پر ناز کرنا حماقت ہے عرفان پہ کیا ناز ہو ان میں سے کوئی جز مکتسب نہیں سب عطائے حق ہے ۔ ان کو اپنی چیز سمجھنا کبر ہے ۔ اور کبر بہت سی گندگیوں کی جڑ ہے ۔ غصہ اسی سے پیدا ہوتا ہے ۔ ایک آدمی کو کسی بزرگ نے تکبر سے چلتا ہوا دیکھا ۔ ٹوکا ۔ اس شخص نے کہا ہل عرفت من انا بزرگ نے کہا نعم اولك نطفة قذرة وآخرك جیفة قذرة وانت بین ذالك تحمل العذرة ۔ جو ہر وقت ہر مجلس میں غلاظت اٹھائے پھرتا ہو اگر کسی طرح اس کا اظہار ہوتا رہتا تو ساری شیخی کرکری ہو جاتی کبھی گندہ دہنی اور کوڑھ کے ذریعہ مشاہدہ کرا دیتے ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر رحمت خداوندی یاد آجائے ۔

جماعت بڑھانے کا اہتمام

ارشاد :- فقہاء کرام نے تکثیر جماعت کا خاص اہتمام کیا ہے ۔ مثلاً امام ایسا بنائے کہ جس سے تکثیر جماعت ہو ۔ ایسے لوگ امام نہ ہوں جن سے نمازیوں میں تقلیل ہو جائے اس لئے اعلم ثم اقرء ثم الاسن ثم الاحسن وجھا ولباسا وزوجة کما لانه من کان زوجته حسینا یکون الامام عفیفاً ویکرہ خلف فاسق ومبتدع واعمیٰ وولد الزنا ولا یاتی المسجد من یاکل البصل والثوم ویمنع من المسجد کل من یقوم الفساد ویکون به قلة المصلین ۔

پردہ پوشی

ارشاد :- مردے کو کفن دینا ۔ نہلانا ۔ دفن کرنا سب پردہ پوشی کے لئے ہے مومن مومن کی حیات وبعد الممات پردہ پوشی کیا کرتا ہے ۔

تکبر کا ایک اور علاج

ارشاد :- تکبر کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ پیخانہ کی ہیئت کذائیہ کا خیال کر لیا کریں ۔ اس کا مراقبہ کرے گا تو معلوم ہوگا کہ ہم کیا چیز ہیں آجکل تو اخبار بھی پائخانے میں دیکھتے ہیں اگر کوئی دلچسپ مضمون نظر پڑ گیا تو گھنٹوں وہیں بیٹھے رہتے ہیں اور پاخانہ بھی اسی اخبار سے پونچھ کر آجاتے

ہیں۔ دیکھ شریعت میں کیسی صفائی ہے۔ سنت کا ترک عذاب ہے۔

ظلم اکثر غصہ سے ہوتا ہے!

ارشاد:۔ چھوٹوں پر ناگواری کرنے میں کبر ہوتا ہے۔ بڑوں پر ناگواری حزن ہے۔ غصے کے اندر سزائیں دینے میں حد سے تجاوز ہوجاتا ہے ظلم اکثر غصہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اگر غصہ کے بعد انتقام پر قدرت نہ ہو تو کینہ چھپا رہتا ہے اور حسد ہونے لگتا ہے اس کے بعد ایذا رسانی کی فکر لگ جاتی ہے پھر مکر و فریب کی عادت ہوجاتی ہے۔

کبر کے تین درج ہیں

۱۔ کبر دل میں ہو افعال سے ظاہر نہ ہو یہ استکبار ہے ان اللہ لا یحب المستکبرین۔
۲۔ دل میں بھی ہو افعال سے بھی ظاہر ہو یہ مختال ہے۔
۳۔ دل میں ہو افعال سے ظاہر کرتا ہو اور زبان سے بھی کہتا ہو یہ فخور ہے ان اللہ لا یحب کل مختال فخور۔

عجیب نکتہ

ارشاد:۔ حق تعالیٰ نے تارک صلوٰۃ کو مشرکین سے تشبیہ دی ہے اور تارک حج کو یہود و نصاریٰ سے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین حج کرتے تھے لیکن نماز نہ پڑھتے تھے اور یہود و نصاریٰ نماز پڑھتے تھے لیکن حج نہ کرتے تھے۔

تابیر نخل کی حدیث سے اعتراض اور اسکا جواب

ارشاد:۔ بعض تابیر نخل کی حدیث پیش کر کے کہتے ہیں کہ امور دنیوی میں شریعت کو کوئی دخل نہیں۔ جواب یہ ہے کہ امور دنیوی کے متعلق بہت سے کام وحی سے معلوم ہوئے ہیں ان سب میں شریعت کو دخل ہے ہاں ایجادات اور انتظامات وطریقۂ انبات کیلئے فرمایا ہے انتم اعلم بامور دنیاکم۔

یُسر سے کیا مراد ہے؟

ارشاد:۔ یرید اللہ بکم الیسر میں یسر روحانی مراد ہے اور یسر روحانی سے جسمانی راحت بھی ہوجاتی ہے۔ جیسے دنیوی مشاغل میں آسانی مل جائے۔

شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کا طریقہ

ارشاد:۔ شیخ سے مناسبت کا مطلب یہ ہے کہ دل میں یوں سمجھے کہ میری اصلاح کے لئے ان

سے بہتر دنیا میں اور کوئی نہیں ہے۔ اگر شیخ سے خطا سرزد ہو جائے تب بھی محبت زائل نہ ہو۔ اس کے قول و فعل سے دل میں اعتراض پیدا نہ ہو حتی کہ کوئی معصیت بھی سرزد ہو جائے تو دل میں کدورت نہ آئے۔ بلکہ یوں سمجھے کہ یہ بھی ایک انسان ہے انسان سے غلطی ہو ہی جاتی ہے جس طرح باپ سے خطا ہو جائے تو محبت باقی رہتی ہے۔ اور مناسبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ کی خدمت میں لگا رہے۔ خدمت کے بغیر مناسبت پیدا نہیں ہوتی۔ خدمت سے کسی وقت دل سے دُعا نکلتی ہے یہی توجہ ہے۔ اس سے کام بن جاتا ہے جیسے صحابہ کرام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ محبت میں سرشار تھے ایک اشارے پر جان دیتے تھے اسی طرح شیخ کی ہر بات سے محبت ہو۔ اس کو تکلیف سے بچانے کی ہر وقت فکر رکھے۔ اس کی راحت کا خیال رکھے۔ جیسے کہ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کی غلام بھیک خدمت کیا کرتے تھے ایک دفعہ شیخ ناراض ہو گئے اور غلام بھیک کو نکال دیا۔ برسات ہوئی تو شیخ کی گھر کی چھت ٹپکی ان کی بیوی بولی کہ خواہ مخواہ ایک خدمتگار کو گھر سے نکال دیا اگر وہ ہوتا تو چھت درست کرتا ابو العالیہ بولے اس کو میں نے ہی تو نکالا ہے تم نے تو نہیں نکالا۔ تم بلا لو۔ چنانچہ کسی سے کہہ کر جنگل میں روتے پھرتے تھے بلایا اور کہا کہ ہمارے گھر کی چھت ٹھیک کرو۔ وہ مٹی ڈال کر چھت کوٹ رہے تھے کہ ابو العالیہ نے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آواز دی کہ یہ لیلو تو وہ اتنے خوش ہوئے کہ اوپر سے کود پڑے اور روٹی کو سر پر رکھ کر پھر کھائی۔

محمد خیر اللہ ڈھاکوی
درجہ تخصص، دار العلوم کراچی ——— ۱۴

غیر اللہ کیلئے لفظ "مولانا" اور "سیدی" کا استعمال

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حدیث شریف میں ہے:

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقولن احدكم عبدي وامتي كلكم عبيد الله وكل نسائكم إماء الله ولكن ليقل غلامي وجاريتي وفتاي وفتاتي ولا يقل العبد ربي ولكن ليقل سيدي وفي رواية ليقل سيدي ومولاي وفي رواية لا يقل العبد لسيده مولاي فان مولاكم الله ——— (مشکوٰۃ باب الاسامی ص ۴۰۷)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے لئے اپنے مالک کو "مولی" کہنا جائز نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ خطبوں میں یا درود شریف میں "وصلی اللہ علی سیدنا ومولانا" پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح علماء حضرات کو مولانا کہنے کا جو رواج ہے کیا یہ صحیح ہے؟ ایسے ہی کسی بڑے کو "سیدی" کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی بھی ممانعت آئی ہے۔ والسلام

شفیع اکبر
ملک آباد، علاقہ گدن ضلع مردان۔ تحصیل صوابی

الجواب باسم ملہم الصواب

حامداً و مصلیاً۔

سوال میں جن احادیث کا ذکر کیا گیا ان سے مقصود دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ مالک کو اپنے غلام کو "عبدی" اور اپنی باندی کو "امتی" کہکر نہ پکارے بلکہ غلامی اور جاریتی جیسے الفاظ سے پکارے۔ دوسرے یہ کہ غلام اپنے مالک کو ربّی (اے میرے رب) کہکر نہ پکارے بلکہ سیدی (اے میرے سید) اور مولائی (اے میرے مولی) کہکر پکارے اور ایک روایت کے مطابق مولای بھی نہ کہے۔

لفظ مولی کے متعلق اگرچہ ایک روایت میں ممانعت آئی ہے لیکن دوسری روایات میں مولی کہکر پکارنے کی ہدایت دی گئی ہے، بظاہر دونوں روایات میں منافات ہے۔ ملا علی قاری نے اس کا یہ جواب دیا کہ ولا یقل العبد لسیدہ مولای (یعنی ممانعت کی روایت) میں مولی بمعنی ناصر و معین (مددگار) کے ہیں اور ولیقل مولای (یعنی مولی کہہ کر پکارنے کی ہدایت کی روایات) میں مولی بمعنی متصرف یعنی حاکم اور معاملہ میں تصرف کرنے والے کے ہیں [1]

تفصیل اس کی یہ ہے کہ لفظ مولی کے متعدد معانی ہیں

مالک، آقا، سردار، آزاد کرنے والا، آزاد شدہ، انعام دینے والا، جس کو انعام دیا جائے محبت کرنے والا، ساتھی، غلام، حلیف، پڑوسی، مہمان شریک، بیٹا، چچا کا بیٹا، بھانجا، چچا، داماد، رشتہ دار، ولی، تابع [2] ان میں بعض معانی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، ان معانی کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ولا یقل العبد لسیدہ مولای وزاد فی حدیث ابی معاویۃ فان مولاکم اللہ [3]	اور غلام اپنے سید کو "میرے مولی" نہ کہے (اور ابو معاویہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں) کیونکہ تمہارے مولی اللہ تعالیٰ ہیں۔

اور دوسرے بعض معانی معانی ذات باری تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں اور ان میں بعض معانی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ان کا اطلاق درست بھی نہیں [4]، ان معانی کے اعتبار سے غیر اللہ کے لئے لفظ مولی کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

غیر اللہ پر لفظ مولی کا اطلاق خود قرآن مجید اور احادیث میں بکثرت موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ التحریم میں ہے۔

---

[1] مرقات المفاتیح ج ۹ ص ۱۱۱ [2] منتہی الارب ج ۴، ص ۳۳۸۔ مطبع اسلامیہ لاہور۔ المنجد صفحہ ۱۱۰۶ مصباح اللغات صفحہ ۹۶۸ [3] صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۳۸۔ [4] عمدۃ القاری ج ۶، ص ۲۳۹۔

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔

پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں (بیان القرآن)

یہاں مولیٰ بمعنی رفیق کے ہے اور اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے علاوہ جبرئیل علیہ السلام اور نیک مسلمان پر بھی ہوا ہے۔ اسی طرح سورۂ احزاب (آیت ۵) میں ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ ۔

(سورۂ احزاب: ۵)

اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو (ان کو اپنا بھائی اپنا دوست کہکر پکارو کیونکہ آخر) وہ تمہارے دین کے بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔ (بیان القرآن)

یہاں مولیٰ دوست اور رفیق کے معنی میں ہیں اور سورۃ الدخان میں ہے:

یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَّوْلًی شَیْئًا ۔

جس دن کوئی علاقہ والا کسی علاقہ والے کے ذرا کام نہ آوے گا۔

(معارف القرآن)

یہاں مولیٰ بمعنی رفیق اور رشتہ دار کے ہے اور سورۂ مریم آیت: ۵ میں ہے۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ ۔

میں اپنے (مرنے کے) بعد (اپنے) رشتہ داروں (کی طرف) سے اندیشہ رکھتا ہوں (بیان القرآن)

یہاں مولیٰ رشتہ دار کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور سورہ النحل (رکوع ۱۰) میں ہے:

اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰہُ ۔

دو شخص ہیں جن میں ایک تو (علاوہ غلام ہونے کے) گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر ایک وبال جان ہے (بیان القرآن)

یہاں لفظ مولیٰ صاحب اور مالک کے معنی میں ہے اور سورہ النساء (رکوع: ۵) میں ہے

وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۔

اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار لوگ چھوڑ جاویں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں (بیان القرآن)

یہاں لفظ مولیٰ وارث کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے لئے اور دوسروں کیلئے بھی لفظ مولیٰ کا استعمال فرمایا، چنانچہ ایک موقع پر فرمایا:۔

ومن ترك دينا أو ضياعا فليأتني فانا مولاه - رواه البخاري وهكذا رواه مسلم[1]	اور جس نے (انتقال کے وقت) کوئی قرض چھوڑا یا کسی کو بے سہارا چھوڑا تو چاہیئے کہ اس کو میرے پاس لے آئے میں اس کا مولیٰ (ولی اور کفیل) ہوں
وقال علیه الصلوٰة والسلام وان مولی القوم منهم رواه النسائی ومثله فی البخاری[2]	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بیشک قوم کا مولیٰ (آزاد شدہ غلام) انہیں میں سے شمار ہوتا ہے۔
وفی حدیث صلح الحدیبیة وقال (علیه الصلوٰة والسلام) لزید "انت اخونا ومولانا[3]	اور صلح حدیبیہ کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضہ سے فرمایا کہ تم تو ہمارے بھائی اور مولیٰ ہو۔

مذکورہ آیات کریمہ اور احادیث سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ پر لفظ مولیٰ کا اطلاق بلاشبہ جائز ہے اگر اس میں کسی قسم کی کراہت ہوتی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بکثرت غیر اللہ کے لئے اس کا استعمال نہ فرماتے اور صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو بھی منع فرماتے، صرف ایک روایت میں غلام کیلئے ممانعت آئی ہے کہ وہ اپنے مالک کو "مولای" کہکر نہ پکارے۔ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں، کہیں غلام اپنے سید کو مولیٰ حقیقی نہ سمجھے جو کہ شرک ہے، لیکن اگر غلام کا اعتقاد درست ہے تو وہ بھی اپنے مالک کو "مولای" کہکر پکار سکتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

ولیقل سیدی ومولای[4]	غلام کو چاہیئے کہ وہ اپنے مالک کو سیدی اور مولای کہے (ربی نہ کہے)

ممانعت کے الفاظ کی یہ زیادتی صرف مسلم شریف اور نسائی شریف کی ایک روایت میں بعض راویوں سے منقول ہے اس کے علاوہ اور کسی بھی روایت میں "مولیٰ" کہکر پکارنے کی ممانعت نہیں ہے[5]

علامہ نووی قاضی عیاض سے اس زیادتی کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث اعمش کے طریق سے مروی ہے اور اعمش سے روایت کرنے والوں میں صرف وکیع اور ابو معاویہ کی روایت میں ممانعت کی یہ زیادتی ہے اور کسی کی روایت میں یہ زیادتی نہیں ہے لہذا اس کا حذف ہی زیادہ صحیح ہے[6]

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۳۲۳، کتاب الاستقراض، باب الصلوٰة علی من ترك دینا - ومثلہ فی کتاب التفسیر سورة الاحزاب ج ۲ ص ۷۰۵ - ومثلہ فی مسلم ج ۲ ص ۳۶ [2] نسائی کتاب الزکوٰة صفحہ ۲۸۰ باب ۔۔۔ ، وفی البخاری ج ۲ ص ۱۰۰۰ کتاب الفرائض [3] بخاری کتاب الصلح باب کیف یکتب هذا الخ ج ۱ ص ۳۷۲ وایضا روی البخاری هذا الحدیث تعلیقا فی صفحہ ۲۸ ج ۱ [4] بخاری ج ۱ ص ۳۴۶ - کتاب العتق ومسلم ج ۲ ص ۲۳۸ [5] عمدة القاری صفحہ ۲۴ ج ۶ فتح الباری ج ۵ ص ۱۳۶ [6] شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۳۸ - باب اطلاق لفظ العبد الخ، کتاب الفاظ -

اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی فرمایا کہ:

وفی الحدیث جواز اطلاق مولای ایضا واما ما اخرجہ مسلم والنسائی من طریق الأعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ فی ھذا الحدیث نحوہ وزاد ولا یقل العبد السیدہ مولای فقد بین مسلم الاختلاف فی ذلک علی الأعمش وان منھم من ذکر ھذہ الزیادۃ ومنھم من حذفھا وقال عیاض حذفھا اصح وقال القرطبی المشھور حذفھا[1] ومثلہ قال العینیؒ فی شرح البخاری[2]

ملا علی قاریؒ نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھا کہ:

والحاصل أن المولی والسید علی الاطلاق ھو اللہ سبحانہ وجواز اطلاقہ وعدمہ علی غیرہ لا یعرف إلا من الشارع ولم یرد نھی عن اطلاق المولی علی غیرہ سبحانہ فیجوز علی اصل الإباحۃ وھو المتعارف فیما بین المسلمین وما رآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ رواہ ابوداؤد[3]	مولیٰ اور سید مطلقاً تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کیلئے ان الفاظ کے استعمال کرنے کا جواز یا عدم جواز شریعت ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اور شریعت میں مولیٰ کے لفظ کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنے کی ممانعت نہیں آئی، لہٰذا یہ لفظ غیر اللہ کیلئے استعمال کرنا جائز ہے (کیونکہ) اشیاء میں اصل (حکم) اباحت ہے، نیز غیر اللہ کے لئے اس لفظ کا استعمال رائج ہے اور ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے

عالمگیریہ میں ہے کہ اپنے استاد یا اپنے بزرگ کو "مولانا" کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور دلیل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر نقل کیا گیا ہے:-

ولو قال لأستاذہ مولانا لا بأس بہ وقد قال علی رضی اللہ لابنہ الحسن رضی اللہ عنہ۔ قم بین یدی	اپنے استاد کو مولانا کہنے میں کوئی حرج نہیں اور حضرت علی رضؓ نے اپنے صاحب زادے حضرت حسنؓ سے (ایک موقع پر) فرمایا کہ اپنے مولیٰ (یعنی استاد)

---

[1] فتح الباری شرح البخاری ج ۵ ص ۱۳۶ [2] عمدۃ القاری ج ۶ ص ۲۴۰ [3] مرقات المفاتیح ج ۹ ص ۱۱۹۔

مولاک عنی استاذہ وکذا لاباس بہ اذا قال لمن ھو افضل منہ[1]	کے سامنے کھڑے ہو جاؤ اور اسی طرح اپنے سے زیادہ فضیلت والے کو بھی مولانا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ پر لفظ مولیٰ کا اطلاق بلا کراہت جائز ہے لہٰذا سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبوں میں یا درود شریف میں "مولانا" کہنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

اسی طرح علماء و صلحاء حضرات کو مولانا کہنے کا جو رواج ہے اس میں کسی قسم کا اشکال نہیں ہے بلکہ یہ بھی بلا کراہت جائز ہے۔

جس طرح لفظ "مولیٰ" کے بارے میں بعض روایات میں ممانعت آئی ہے اسی طرح بعض روایات میں لفظ "سید" کے بارے میں بھی ممانعت آئی ہے، جیسا کہ ابوداؤد شریف میں ہے۔

عن مطرف قال: قال أبی: انطلقت فی وفد بنی عامر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا انت سیدنا فقال السید اللہ، الحدیث[2] وقال فی فتح الباری وقد روی ابو داؤد والنسائی واحمد والمصنف	حضرت مطرفؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں قبیلہ بنی عامر کے وفد کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ سید تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔

فی الادب المفرد من حدیث عبد اللہ بن الشخیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: السیّد اللہ[3]

لیکن خود قرآن مجید میں غیر اللہ پر لفظ سید کا اطلاق موجود ہے، چنانچہ سورہ آل عمران کوع ۴ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سید کہا گیا ہے:

وسیدًا وحصورًا و نبیًا من الصلحین۔	اور (حضرت یحییٰ) مقتدائے دین ہوں گے اور اپنی نفس کو (لذات سے بہت روکنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے (معارف القرآن)

اور سورہ یوسف (رکوع ۳) میں زلیخا کے شوہر کے لئے لفظ سید کا استعمال ہوا۔

والفیا سیدھا لدی الباب۔	اور دونوں نے اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس (کھڑا) پایا۔ (معارف القرآن)

[1] عالمگیریہ ج ۵ ص ۳۰ - کتاب الکراہیۃ الباب الثلاثون فی المتفرقات [2] ابوداؤد ج ص ۳۰۶ باب کراہیۃ التمادح [3] فتح الباری ج ۵ ص ۱۳۶ -

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو "سید الناس" کہا چنانچہ حدیث میں ہے۔

أنا سید الناس یوم القیامة[1]	میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہونگا

اور دوسری حدیث میں حضرت سعد بن معاذؓ کیلئے فرمایا کہ:

قوموا إلی سیدکم[2]	اپنے سید (آقا) کے احترام کو کھڑے ہو جاؤ

اسی طرح اوپر ذکر کردہ احادیث میں غلام کو ہدایت کی گئی کہ وہ اپنے مالک کو سیدی کہکر پکارے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کے وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

فقال عمر: بل نبایعك أنت فأنت سیدنا وخیرنا واحبنا إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]	ہم تو آپ ہی کے ہاتھ پر بیعت ہوں گے۔ (کیونکہ) آپ ہمارے سید ہیں اور ہم میں سب سے بہتر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔

اور ممانعت کی حدیث کے متعلق شراح حدیث نے فرمایا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ سمجھانا تھا کہ حقیقۃً سیادت اور سرداری کے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور ساری مخلوق ان کی مملوک اور فرمانبردار ہے، لہٰذا وفد بنی عامر چونکہ نو مسلم تھے اس لئے ان کو سید کہکر پکارنے سے منع کر دیا گیا۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے وفد بنی عامر کی حدیث کے تحت اس سلسلے میں تفصیلی بحث کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

نقل فی الحاشیة: قال الخطابی یرید أن السود وحقیقة للہ عز وجل وأن الخلق کلھم عبید اللہ وانما منعھم أن یدعوہ سیدًا مع قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم لانھم قوم حدیث عھد بالإسلام وکانوا یحسبون أن السیادة بالنبوة کھی باسباب الدنیا وکان لھم رؤسار یعظمونھم وینقادون لومرھم وقولہ قولوا بقولکم	خلاصہ ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وفد بنی عامر کو اس بات سے منع کرنا کہ وہ آپ کو سید کہکر پکاریں باوجودیکہ آپ نے خود اپنے آپ کو اس حدیث شریف میں سید فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ "میں اولادِ آدم کا سید (سردار) ہوں" اسلئے تھا کہ بنی عامر نو مسلم تھے اور وہ نبوت کی سرداری کو عام دنیاوی سرداری کی طرح سمجھتے تھے اور اپنے سرداروں کی بہت زیادہ تعظیم اور تابعداری کرتے تھے اسی لئے آپ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ مجھے نبی اور

[1] بخاری ج ۱ ص ۴۷۰، باب قول اللہ عزوجل، ولقد ارسلنا نوحًا الی قومہ کتاب الانبیاء [2] بخاری ج ۱ ص ۴۲۶ وایضًا فی البخاری ج ۲ ص ۹۲۶، کتاب الاستیذان [3] بخاری ج ۱ ص ۵۱۸ کتاب المناقب۔

إن سید بقول اهل دینکم وملککم وادعونی بنبیه ورسوله کما سمانی الله تعالیٰ فی کتابه ولا تسمونی سیداً کما تسمون رؤسائکم ولا تجعلونی مثلهم فانی لست کاحدهم إذ کانوا یسودونکم فی اسباب الدنیا وانی أسودکم فی النبوة و الرسالة .....)

رسول کہا کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی مجھے ان ناموں سے مخاطب کیا ہے اور تم مجھے سید نہ کہا کرو جیسا کہ تم اپنے سرداروں کو کہتے ہو کیونکہ میں ان کے مانند نہیں، وہ تمہارے دنیاوی سردار ہیں اور میں نبوت اور نبوت اور رسالت کا سردار ہوں۔

وکتب مولانا یحییٰ المرحوم فی التقریر قوله السید هو الله انما منعهم عنه مع أنه رخص فی إطلاق تلك الکلمة هضماً لنفسه النفیسة انتهی قلت ویحتمل انه صلی الله علیه وسلم منعهم قبل ان یوحی الیه أنه سید ولد آدم [1]

اور مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے وفد بنی عامر کی مذکورہ حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ "حضورؐ کا یہ فرمان کہ "سید تو اللہ تعالیٰ ہیں اور ان کو اپنے لئے اس لفظ کے استعمال سے روک دینا بطور تواضع وانکساری تھا۔ اور ممکن ہے کہ یہ ممانعت آپؐ اولاد آدم کے سید ہیں اس وحی سے پہلے کی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ غیر اللہ پر لفظ سید کے استعمال میں بھی کسی قسم کی کراہت نہیں ہے بلکہ غیر اللہ کے لئے لفظ مولیٰ کے استعمال کی نسبت لفظ سید کا استعمال اھون ہے کیونکہ لفظ سید قرآن کریم میں اور کسی بھی حدیث متواتر میں اللہ تعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا اور نہ ہی یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے [2] اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کو "یا سیدی" کہکر پکارنا مکروہ ہے جیسا کہ علامہ نوویؒ نے مسلم شریف کی شرح میں لکھا کہ:

ولا نهی فی قول المملوك سیدی لقوله صلی الله علیه وسلم لیقل سیدی، لان لفظة السید غیر مختصة بالله تعالیٰ اختصاص الرب ولا مستعملة فیه کاستعمالها حتی

غلام اگر اپنے مالک کو "سیدی" یعنی میرے آقا کہے تو اس کی کوئی ممانعت نہیں کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چاہیئے کہ (غلام اپنے مالک کو) سیدی کہے کیونکہ لفظ سید اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح خاص نہیں جس طرح لفظ

[1] بذل المجهود ج ۱۹ ص ۶۳ باب کراہیۃ التمادح ۔ مطبع ندوۃ العلماء لکھنؤ [2] کذا فی شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۲۳۸ ومثله فی فتح الباری ج ۵ ص ۱۳۶ ۔

نقل القاضی عن مالک انہ کرہ الدعا بسیدی[1]

رب خاص ہے اور نہ اس کی طرح استعمال ہوتا ہے حتیٰ کہ قاضی عیاض نے امام مالک سے نقل کیا کہ یاسیدی کہکر اللہ سے دُعا مانگنا مکروہ ہے

اور علامہ عینیؒ نے بخاری شریف کی شرح میں امام مالکؒ کا ایک واقعہ نقل کیا، اور وہ یہ ہے کہ:

وقد قیل لمالک ہل کرہ احد بالمدینۃ قولہ لسیدہ یاسیدی؟ قال لا واحتج بہذہ الآیۃ وقولہ تعالیٰ وسیدا وحصورا قیل لہ: یقولون السید ہو اللہ قال این ہو فی کتاب اللہ تعالیٰ وانما فی القرآن رب اغفرلی ولوالدی قیل اسکر ان یدعو یاسیدی قال مافی القرآن احب إلی ودعاء الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام[2]

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ کیا مدینہ منورہ میں کوئی "یاسیدی" کہکر پکارنے کو مکروہ سمجھتا ہے؟ امام مالک نے فرمایا کہ "نہیں" اور استدلال کیا قرآن کریم کی آیات "والفیا سیدھا لدی الباب" اور سیدا وحصورا سے (جن کا ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے) پھر ان سے پوچھا گیا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ سید اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں سید کہاں ہے؟ قرآن مجید میں تو (اللہ تعالیٰ کیلئے) رب آیا ہے پھر ان سے پوچھا گیا کہ کیا یاسیدی کہکر دعا کرنا مکروہ ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ قرآن کریم اور انبیاء علیہم السلام کی دعا میں (بوقت دعا اللہ تعالیٰ کے لئے) جو الفاظ آئے ہیں وہی میرے نزدیک زیادہ محبوب ہیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ امام مالکؒ کے زمانہ میں جو کہ تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ تھا علوم اسلامیہ کے مرکز مدینہ منورہ میں غیر اللہ کے لئے لفظ سید کے استعمال کو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا تھا۔

البتہ کسی منافق اور بے دین کو "سید" کہنا جائز نہیں اور اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت وعید بھی منقول ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

لاتقولوا للمنافق سید فانہ ان یک سیداً فقد اسخطتم ربکم عزوجل[3] وفی حاشیۃ المشکوۃ بحوالۃ اللمعات قولہ ان یک سیداً قیل معناہ ان یکن سیداً وجب طاعتہ وذلک موجب

خلاصہ ترجمہ: منافق کو سید (سردار) نہ کہو کیونکہ اگر اگر وہ عملاً بھی (تمہارے بنانے سے) سردار بن گیا تو تم نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔

---

[1] شرح مسلم للنووی باب اطلاق لفظ العبد والامۃ والمولیٰ والسید، کتاب الالفاظ [2] عمدۃ القاری کتاب العتق باب کراہیۃ التطاول علی الرقیق ج ۶ ص ۲۳۸ [3] ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۴۔ باب لایقول المملوک ربی۔

سخطه تعالیٰ وقیل اراد ان کم بھذا القول اسخطتم ربکم فوضع الکون موضع القول الخ[۱]

اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

(لاتقولوا للمنافق سید) مفھومه انه یجوز ان یقال للمؤمن سید وھو لاینافی مارواہ احمد و الحاکم عن عبد اللہ بن الشخیر مرفوعًا السید اللہ لان فی الحقیقة لاسیادة الالٰه وماسواہ مملوکه

اس حدیث سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ مؤمن کو سید کہنا جائز ہے۔

اسی طرح دیندار لوگوں کے علاوہ فاسق وفاجر لوگوں کو بھی " مولانا " کہنا جائز نہیں اور یہ بھی اس وعید اور ممانعت میں داخل ہے بلکہ منافق وغیرہ کو سید کہنے سے بھی یہ اشد ہے کیونکہ قرآن مجید میں لفظ " مولٰنا " اللہ تعالیٰ کے لئے آیا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آخری آیت میں ہے۔

انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔ — آپ ہمارے کارساز ہیں سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے (معارف القرآن)

لیکن لفظ سید قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں آیا ہے اور نہ کسی حدیث متواتر میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ مرقات میں ہے :

عن الطیبی : ان قول الناس لغیر الملة کالحکماء والاطباء مولانا داخل فی ھذا النھی والوعید بل ھو أشد لورود قوله تعالیٰ مولانا فی التنزیل دون السید قلت اذا کان المراد به تعظیمه فلاشك فی عدم جوازہ واما اذا أرید به احد معانی المولیٰ مما سبق فلا یبعد جوازہ لاسیما عند الحاجه و الضرورة والمخلص ان یکون علی سبیل التوریة الخ[۲]

واللہ سبحانه وتعالیٰ واعلم

کتبہ محمد خیر اللہ ڈھاکوی عفی اللہ عنہ
دارالافتاء ، دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۷-۷-۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۲-۷-۱۴۰۸ھ

---

[۱] مرقات ج ۹ ص ۱۱۹ [۲] مرقات المفاتیح ج ۹ ص ۱۱۹

ترجمہ محمد عبداللہ میمن

> گذشتہ ماہ "ملیشیا" میں اتحاد اسلامی کے موضوع پر ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس میں پاکستان کی طرف سے عزت مآب جناب جسٹس محمد افضل ظلہ صاحب، چیئرمین شریعت ایپلیٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان نے شرکت کی تھی، اس کانفرنس میں جامعہ کویت کے پروفیسر جناب ڈاکٹر خالد المذکور بن عبداللہ المذکور نے ایک مقالہ "مذہبی جنونیت" کے موضوع پر عربی میں پڑھا تھا، جناب جسٹس محمد افضل ظلہ صاحب کے ایماء پر اس کا ترجمہ مولانا عبداللہ میمن صاحب نے اردو میں کر دیا جو قارئین البلاغ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے ——— شجاعت علی ہاشمی:

گذشتہ چند سالوں سے ایسی اصطلاحات رائج ہو گئی ہیں، جن کو متعدد ذرائع ابلاغ، اور خاص کر مغربی ذرائع ابلاغ عالمِ اسلام کے حالات بیان کرتے وقت استعمال کرتے ہیں، مغربی ذرائع ابلاغ "اصول پرست مسلمان" (FUNDAMENTALIST MUSLIM) اور "مذہبی جنونیت" (RELIGIOUS FANATICISM) کی اصطلاح (TERM) استعمال کرتے ہیں، انہوں نے ان اصطلاحات (TERMS) اور تشدد، سختی، دہشت انگیزی کے درمیان گہرا ربط اور تعلق قائم کر دیا ہے، اور اسلام کے دشمنوں نے یہ اصطلاحات اس لئے گھڑی ہیں، تاکہ ان کے ذریعہ وہ اپنی تحریروں، تقریروں اور جلسوں میں اسلامی

عقائد، اسلامی شریعت، اور اسلامی اعمال میں طعن و تشنیع کر سکیں، اور انہوں نے مذہبی جنونیت ——— (Religious Fanaticism) کی اصطلاح کو اپنے ناپسندیدہ امور، مثلاً عقیدہ اور شریعت پر مضبوطی سے جماؤ وغیرہ کو انتہار پسندی اور تشدد کے ذریعے ان کو باطل کرنے کا آسان ذریعہ بنایا ہوا ہے۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم اس معاملہ کی طرف پوری توجہ دیں، اور اس کے ارتقاء اور پیدائش کے اسباب اور اس کے علاج کے طریقے معلوم کریں، پھر ہم ان ممکنہ پروگراموں پر نظر ڈالیں، جن کے ذریعہ اسلامی ممالک میں عوامی اور سرکاری سطح پر تبلیغ و اصلاح اور ارشاد کا کام کیا جا سکے، اور ان میں بیداری پیدا کی جا سکے۔

اس کے نتیجے میں اسلاف کے خلاف طعنہ کرنے اور شک میں ڈالنے والوں کے ہاتھوں سے موقع نکل جائے گا، حتیٰ کہ وہ لوگ اس اصطلاح کے پس پردہ مسلمانوں کے ذہنوں اور ذرائع ابلاغ پر غالب نہیں آئیں گے، اور اسلامی عقائد اور اسلامی طور طریقے کے خلاف ان کے تمام منصوبے اور اسکیمیں فیل ہو جائیں گی جس طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں۔

مذہبی جنونیت (RELIGIOUS FANATICIOM) کا مفہوم اور اسکی سنگینی

مذہبی جنونیت کی اصطلاح فقہاء کی کتابوں میں کہیں موجود نہیں ہے، اور یہ بالکل نئی اصطلاح ہے، جو مغربی ذرائع ابلاغ عالم اسلام کے ان واقعات میں اجنبیت پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں جن کا کسی نہ کسی اعتبار سے عالم اسلام سے تعلق ہو، تاکہ وہ لوگ ذرائع ابلاغ کے ذریعہ غلط اور اجنبی شکل وصورت کے ساتھ اپنے مقاصد پیش کر سکیں، پھر عالم اسلام کے ذرائع ابلاغ نے اس اصطلاح کے اصل مفہوم کو سمجھے بغیر اس کا استعمال شروع کر دیا، یہاں تک کہ یہ اصطلاح ہر قسم کی دینداری کے لئے ایک تہمت بن گئی۔

اس مفہوم کے لئے شرعی اصطلاح جو مسلمان فقہاء کے درمیان رائج ہے، اور جو قرآن کریم اور سنت نبویہ میں وارد ہوئی ہے، وہ "غلو" (Excess) ہے، چنانچہ سورہ نساء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

> "اے اہل کتاب اپنے دین میں "غلو نہ کرو"، اور اللہ تعالیٰ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو"۔

اور سورہ مائدہ میں فرماتے ہیں:

> "آپ کہدیں، اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق "غلو" نہ کرو، اور اس میں ان لوگوں کے خیالات پر مت چلو، جو پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں، اور بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں، اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو گئے تھے"۔

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں "غلو" کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم لوگ دین میں "غلو" (حد سے تجاوز) کرنے سے بچو، تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے"۔

اور "غلو" اعتدال اور میانہ روی میں حد سے تجاوز کر جانے کو کہتے ہیں، اور اس امت کے اوصاف میں سے ایک وصف "معتدل امت" ہونا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں۔

"اور اسی طرح ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنا دی ہے جو نہایت معتدل ہے"۔

"مذہبی جنونیت" (Fanaticism) کی اصطلاح کے مقابلے میں شرعی اصطلاح "غلو" کا استعمال دو وجہ سے بہتر ہے:

پہلی وجہ یہ ہے کہ "غلو" کی اصطلاح کے معنی بالکل واضح ہیں، اور اس کا مدلول ناقابل تبدیل ہے، اس لئے کہ یہ اصطلاح مذہب، عقیدہ، اور شریعت پر مضبوطی سے عمل کرنے والے کی مضبوطی اور پختگی کو تسلیم کرتی ہے، البتہ جن عقائد و اعمال کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں، انہیں انجام دینے سے باز رکھتی ہے، جبکہ "مذہبی انتہا پسندی" کی اصطلاح کے معنی بہت وسیع اور اس کا مدلول غیر محدود ہوتا ہے، ہر اس مسلمان کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی جا سکتی ہے جو اپنے اسلامی ارکان و عبادات ادا کرنے پر پوری طرح جما ہوا ہے، اب اس اصطلاح کے ذریعہ اس کو تشدد، سختی اور دہشت انگیزی کا نام دے کر بدنام کیا جا رہا ہے، جیسا کہ اس کے موجودہ استعمال سے ظاہر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ "غلو" کی اصطلاح تمام اسلامی جماعتوں اور فرقوں میں قدر مشترک اور معروف ہے، گفتگو اور بول چال میں اس سے مدد لی جاتی ہے، اور آپس میں تبادلہ خیالات اور افہام و تفہیم کے واسطے راہ ہموار ہوتی ہے، یہ ایک ایسا ضروری پہلو ہے جس کو اپنی تعبیرات میں قائم رکھنا ضروری ہے۔

"غلو" کا مطلب "حد سے تجاوز"

حد سے تجاوز کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس میں عالم اسلام منفرد ہو، اور اس کا اطلاق ہر حد سے تجاوز پر ہوتا ہے، چاہے وہ تجاوز مذہب میں ہو، یا نظریات میں ہو، یا طرز عمل اور طور طریق میں ہو۔

مذہبی اعتبار سے "غلو"

ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے تمام مذاہب سابقہ اسلام کے بارے میں جس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ مذہب فطرۃ سلیمہ اور میانہ روی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے، یہ بات ابتدا ہی سے معلوم اور مسلم ہے، چنانچہ رہبانیت، معاشرہ سے دور رہنا، اور ازدواجی زندگی سے بھاگنا حد سے تجاوز ہے، جس سے اسلام منع کرتا ہے، اور روکتا ہے۔

نظریاتی اعتبار سے "غلو"

یہ بات مخفی نہیں کہ مارکس ازم کی اس وقت دو ممالک نمائندگی کر رہے ہیں، ایک سوویت یونین

اور دوسرا چین، ان میں سے ہر ایک دوسرے کو بے راہ روی اور مارکس ازم پر مضبوطی سے نہ چلنے پر تہمت اور بہتان لگا رہے ہیں، ہم یورپ میں مختلف پارٹیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ دائیں بازو اور بائیں بازو کی غیر مفہوم سطح پر بٹی ہوئی ہیں، اور ذہن ان کے پوشیدہ اصطلاحات اور اشاروں کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتا ہے۔

طرزِ عمل اور طور طریق میں غلو

جب آپ معاشرتی طور طریق کو دیکھیں گے تو آپ کو مغربی دنیا میں مخالفت اور انحراف کی بہت سی ایسی صورتیں نظر آئیں گی جو غیر مانوس اور حد سے متجاوز ہیں، جبکہ اس کے مقابلے میں عالم اسلام میں معاشرتی اختلاف کچھ بھی نہیں ہے۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مندرجہ بالا امور میں سے جس میں بھی حد سے تجاوز پایا جائے، اس کی پوری حقیقت سنجیدگی کے ساتھ واضح کرنا ضروری ہے، تاکہ ہم توازن کے ساتھ ان کا بہتر علاج کر سکیں، اور بغیر افراط و تفریط کے اس کے اہم عناصر کی تعیین کر سکیں۔

دینی امور میں "حد سے تجاوز" کی پوری حقیقت بیان کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام کے بہت سے اصول اور واجبات ایسے ہیں، جن کا اعتقاد نہ رکھنا مسلمان کو اس کے دین سے خارج کر دیتا ہے، اور ان کو چھوڑنا اور ان سے دستبردار ہونا مسلمان کے لئے حرام ہے، ان پر پابندی سے عمل کرنے کو "غلو" نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ وہ اصول اور واجبات ایسے ہیں جن کے ذریعہ ایک مسلمان ایک غیر مسلم سے ممتاز ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اصول حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَىٰ خَمْسٍ، شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ لِمَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا۔	اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا، نماز قائم کرنا، زکات دینا، رمضان کے روزے رکھنا، حج کی استطاعت ہونے پر حج کرنا

⁂ ⁂ ⁂

اور ان کے علاوہ وہ چیزیں جو ان کے بعد واجب اور ضروری ہیں، اور مذکورہ بالا بنیاد کی موافق اسلام کی دعوت دینے کے لئے فرصت اور وقت مہیا کرنا، اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں، مثلاً شراب پینا، جوا کھیلنا، زنا، سود وغیرہ، ان کو حرام سمجھنا، اور جن چیزوں کا اللہ تعالیٰ نے کرنے کا حکم دیا ہے، یعنی آپس میں اخوت، محبت اور بھائی چارہ کی زندگی گزارنے کی ترغیب دینے کا، اس کو پورا کرنا وغیرہ، لہٰذا جن کاموں کا کرنا اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض و واجب قرار دیا ہے، ان کو ادا کرنا، انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر واجب ہے، اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ان سے رکنا اور دور رہنا انفرادی اور اجتماعی طور پر واجب ہے،

"غلو" کا مفہوم مختلف اشخاص کی ثقافت اور ماحول کے بدلنے اور مغربی، مشرقی افکار سے متاثر ہونے کی بنا پر بدل جاتا ہے، لہٰذا بعض حضرات کے نزدیک فرائض و واجبات کو پابندی سے ادا کرنے اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنے کا نام "غلو" ہے، اور بعض لوگوں کے نزدیک حرام کاموں سے بچنے اور ان سے سختی سے پرہیز کرنے کا نام "غلو" ہے، چہ جائیکہ سنن ونوافل اور مستحبات کی پابندی کرنا۔

عبادات میں "غلو" کی ایک صورت یہ ہے، جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، کہ کوئی شخص کسی نفلی عبادت پر خود مداومت کرنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اس کی پابندی کرنے کی دعوت دے، یا یہ کہ کوئی شخص لگاتار اور مسلسل روزے رکھے، جس سے اس کا جسم لاغر اور کمزور ہو جائے، اور اس کی یادداشت متاثر ہو جائے، اور اسکی معیشت تباہ ہو جائے، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں "غلو" کو ختم کرنے کے لئے اپنی سنت اور اپنا طریقہ ایک حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، تین اشخاص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس ان کے گھر پر آئے، تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں سوال کریں، جب ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں بتایا گیا تو انہوں نے ان عبادات کو بہت کم خیال کیا، اور آپس میں کہنے لگے، ہمارا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا موازنہ؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف فرمادیئے ہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا: اب میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا، اور دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا، اور کبھی روزہ نہیں چھوڑوں گا، تیسرے نے کہا: میں ہمیشہ عورتوں سے دور رہونگا، اور کبھی شادی نہیں کروں گا، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اور فرمایا: تم وہی لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا ہے، اللہ کی قسم میں تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور متقی پرہیزگار ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں، لہٰذا جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ میری جماعت سے نہیں۔" (۱)

"غلو" کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی معین فقہی رائے کو مضبوطی سے اختیار کر کے اس پر اس طرح تشدد ہو جانا کہ اس کے مقابلے میں دوسرے فقہی آراء کو بالکل لغو اور بیکار سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دینا، اور یہ سمجھنا کہ وہ فقہی رائے بالکل درست ہے، جس میں غلطی کا کوئی احتمال اور گنجائش نہیں ہے، اور اس کے مقابلے میں دوسری آراء غلط ہیں، جن کے درست اور صحیح

ہونے کا احتمال نہیں ہے۔

"غلو" کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی "مکروہ" کام کو "حرام" کا درجہ دیدینا، پھر یہ مکروہ کو حرام خیال کرنے کا "غلو" اس کی ذات سے نکل کر پورے معاشرے میں پھیل جاتا ہے، یہانتک کہ بعض اوقات ایک شخص دوسرے کو صرف "مکروہ" فعل کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے فاسق اور فاجر جیسے الفاظ کی طرف منسوب کردیتا ہے۔

اور "ایک غلو" وہ بھی ہے جو اسلامی سیاسیات کے سلسلے میں پایا جاتا ہے، اس کی بنیاد وہ مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں جو کسی ایک متعین امام کی اتباع وبیعت سے تعلق رکھتے ہیں، اور انہیں مختلف نظریات کے نتیجے میں اسکی مختلف تعبیرات ہیں، جو حدود سے تجاوز کرگئی ہیں، جیساکہ اسی سلسلہ میں بعض قرآنی آیات کی تشریح وتفسیر میں "غلو" کیا گیا ہے، مثلاً آیت قرآنی ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ	اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ	کے مطابق فیصلہ نہ کریں، بس وہی لوگ کافر ہیں۔

اس آیت سے ان مسلم معاشروں کی فی الجملہ تکفیر کا نتیجہ نکالا جاتا ہے، جو آجکل موجود ہیں، اس لئے کہ وہ جماعتیں غیر شرعی حکومتوں پر راضی ہیں، چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دعوت وارشاد اور خیرخواہی ونرمی کی حدیں تشدد اور زیادتی کی طرف تجاوز کرگئیں، پھر اس تشدد کا یہ نتیجہ نکلا کہ بعض ایسے غلو پسند لوگ وجود میں آگئے جو استئصال اور موجودہ نظاموں کو بدل ڈالنے کا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن یہ ظلم کی بات ہے کہ ہم تمام اسلامی جماعتوں اور اسلام کے لئے کام کرنے والوں پر غلو سے کام لے کر سب پر تہمت لگادیں۔

لہٰذا "غلو" کی وہ تمام صورتیں جو اوپر ذکر کی گئیں، اور ان کے نتائج اس اسلام کے صحیح راستے سے بالکل دور ہیں، جو اپنی طرف دعوت دینے کیلئے اعتدال ورمیانہ روی کا قائل ہے، جیساکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلائیے
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ.	اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے

لہٰذا اس تمام بحث سے یہ بات سامنے آگئی کہ "غلو" (EXCESS) عام طور پر ان چیزوں میں پایا جاتا ہے جن کے بارے میں متعدد اور مختلف اقوال ہوں، اور اس کے علاوہ فہم کے درست نہ ہونے، اور آیات قرآنی اور احادیث نبویہ کی غلط تعبیر وتاویل کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا اسباب کا ان دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر جن کا ذکر ہم آگے کریں گے، یہ نتیجہ نکلا کہ موجودہ دور میں "غلو" نے کچھ ایسی صورتیں اختیار کرلی ہیں، جن میں ماحول اور حالات کے بدلنے سے شدت آجاتی ہے۔

ریحان علی ہاشمی
متعلم آکسفورڈ اسکول کے ڈی اے اسکیم ۲

- آپ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی بنیادوں پر کعبہ شریف تعمیر فرمایا۔
- آپ نے پتھر پر پتھر رکھ کر دیواریں کھڑی کیں۔ گارا مٹی، چونا یا کوئی دوسری چیز استعمال نہیں کی۔
- آپ نے کعبہ شریف مستطیل شکل کا بنایا تھا۔
- آپ کی تعمیر میں چار رکن تھے (رکن حجر اسود، رکن عراقی، رکن شامی اور رکن یمانی) اور چاروں کا استلام کیا جاتا تھا۔
- مشرقی دیوار میں ایک ہی دروازہ تھا۔ جس کے نہ تو کواڑ تھے اور نہ ہی کسی دوسری چیز سے بند کیا جاتا تھا
- دروازہ زمین کے برابر تھا بلندی پر نہیں تھا۔
- حطیم والی جگہ کعبہ شریف میں شامل تھی۔
- کعبہ شریف کی چھت نہیں تھی۔
- نہ ہی کعبہ شریف پر غلاف تھا سب سے پہلے شاہ تبع نے چڑھایا تھا۔
- دیواروں کی بلندی بلندی ۹ ذراع (۱۳ فٹ ۹ انچ ۴ میٹر ۱۰ سنٹی میٹر) تھی۔
- دروازے والی مشرقی دیوار ۲۲ ذراع (۳۲ فٹ یعنی تقریباً ۱۰ میٹر) اور رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کی دیوار ۲۰ ذراع (۳۰ فٹ یعنی ۹ میٹر ۱۵ سنٹی میٹر) رکن شامی سے رکن یمانی تک ۳۱ ذراع (۴۶½ فٹ یعنی ۱۳ میٹر ۵۸ سنٹی میٹر)
- دروازہ کے سامنے دائیں جانب ۶-۴ فٹ (ایک میٹر، ۳۷ سنٹی میٹر) گہرا گڑھا تھا۔ (تاریخ مکۃ المکرمہ صفحہ ۴۴)

میں اُس سے کیوں نہ مانگوں جس سے تو مانگ رہا ہے

ہارون رشید کی بادشاہت کا زمانہ تھا۔ اُس وقت قحط پڑا۔ ایک دیہاتی آیا کہ میں بھی جا کر بادشاہ سے کچھ مانگوں۔ تاکہ میری اصلاح حال ہو۔ بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ میں جا کر بادشاہ سے کہوں کہ اپنے خزانے سے مجھے کچھ دے۔ جب آیا تو دیکھا کہ ہارون رشید نماز میں مصروف ہے۔ تو چوب دار نے کہا۔ ذرا ٹھہر جا۔ یہ دیہاتی بے چارہ ٹھہر گیا۔ ہارون رشید جب سلام پھیر چکے اور دُعا مانگ چکے تو ہارون رشید نے پوچھا چودھری صاحب کیوں آئے۔ چودھری صاحب نے کہا یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیوں آیا تھا پہلے یہ بتا کہ تو کر کیا رہا تھا۔ یہ کیا بات تھی۔ اس نے کہا میں اپنے اللہ کے آگے جھک رہا تھا۔ اس نے کہا۔ اچھا تیرے سے بھی کوئی بڑا ہے۔ اس نے کہا۔ میرے سے بڑے اللہ میاں ہیں میں اُن سے مانگتا ہوں۔

بس دیہاتی وہیں سے لوٹا کہ مجھے تجھ سے مانگنے کی ضرورت نہیں ہے میں اُس سے کیوں نہ مانگوں جس سے تو مانگ رہا ہے۔ جب تو بھی اس کا محتاج ہے تو میں محتاج کا محتاج کیوں بنوں؟ حقیقت یہی ہے کہ سب اس کے سامنے بے بس ہیں۔ وہی سب کے کام کرتے ہیں۔ نہ کوئی کسی کو دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے وہی دیتا ہے۔ اسی کو چھیننے کی قدرت ہے۔ آدمی کو اگر کچھ لینا ہے تو اپنے معاملے کو اللہ میاں سے درست کرے۔ سب کچھ مل جائے گا ان سے بگاڑلی تو ملا ملایا بھی چھن جائے گا۔ (خطبات حکیم الاسلام ص ۲۴۸۔۲۴۹)

لقمۂ حلال قرب خداوندی کی شرط اوّل ہے

دیوبند میں ایک بزرگ شاہ جی عبداللہ صاحبؒ تھے بالکل بے پڑھے لکھے تھے مگر صاحب نسبت تھے ذکر و شغل ان کا مشغلہ تھا اللہ والے تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی گزارنے کے لئے معاش کا یہ سلسلہ کر رکھا تھا کہ گھاس کھود کر بیچتے تھے اور گھاس کی گھٹڑی کے چھ پیسے متعین تھے۔ نہ ایک پیسہ کم لیتے تھے نہ زیادہ اور لوگوں کا دیوبند میں یہ حال تھا کہ جنہیں جانوروں کے لئے گھاس خریدنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ ان کی ایک قطار کھڑی رہتی تھی اور بھی بہت سے مرد و عورت۔ گھاس بیچنے والے تھے ان کی گھٹڑیاں رکھی ہیں۔ مگر کوئی نہیں ان سے لیتا تھا۔ ہر ایک کا جذبہ یہ تھا کہ شاہ جی کی گھٹڑی خریدیں گے۔ گھر میں برکت ہو جائے گی اس لئے سب انتظار میں کھڑے رہتے تھے اور جہاں دیکھا۔ شاہ جی گھٹڑی لے کر آئے۔ لوگ ان کی

طرف دوڑتے تھے۔ بس جس نے پہلے ہاتھ لگادیا شاہ جی وہیں گٹھڑی ڈال دیتے تھے کہ بس لے جا۔ اُسی کی گٹھڑی ہو جاتی تھی اور چھ پیسے متعین تھے۔ سردی ہو۔ گرمی ہو یا برسات نہ ایک پائی کم نہ زیادہ۔

اس کا مصرف ان کے یہاں یہ تھا دو پیسے اسی وقت صدقہ کردیتے۔ اُس زمانے میں پیسوں کے کچھ تانبے کے ٹکرے آتے تھے جنھیں منصوری پیسہ کہا جاتا تھا۔ ایک پیسے کے بہت سے ٹکڑے آجاتے تھے تو دو پیسوں کے بہت سے ٹکڑے لئے اور وہ ٹکڑے غریبوں میں تقسیم کردیئے اور دو پیسے روزان کے گھر کا خرچ تھا۔ ایک پیسے میں ادھیلہ کا آٹا اور کچھ تیل وغیرہ لے لیا۔ بہر حال گھر کی ضروریات دو پیسے میں پوری کرتے اور دو پیسے روز جمع کیا کرتے۔ سال بھر میں جب اس کے چھ سات روپے بن جاتے تو اس رقم سے ہمارے ان بزرگوں کی دعوت کیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ۔ مولانا رفیع الدین صاحبؒ۔ مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی، مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب جب کبھی دارالعلوم آتے۔ ان کی بھی دعوت کرتے۔ سال میں ایک دعوت ہوتی تھی۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ سال بھر ہمیں انتظار رہتا تھا کہ کب وہ دعوت کا وقت آئے اور شاہ جی کے گھر کھانا کھائیں۔ اور فرمایا۔ جس دن ان کے گھر کھانا کھاتے ہیں۔ چالیس چالیس دن قلب میں نورانیت رہتی ہے اور جذبہ اٹھتا ہے کہ نماز پڑھو۔ تلاوت بھی کرو۔ ذکر اللہ میں مشغول رہو۔ یہ جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ سال بھر ہمیں دعوت کا انتظار رہتا۔

ایک دفعہ شاہ جیؒ بے چارے بیمار ہوگئے تو مولانا محمد یعقوبؒ سے کہلا کے بھیجا کہ میں تو مریض ہوں آ نہیں سکتا۔ یہ سات آٹھ روپے رکھے ہوئے ہیں آپ میری طرف سے ان بزرگوں کی دعوت کردیں۔ یہ پیسے جب مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس پہنچے تو آپ نے پہلے غسل کیا کپڑے بدلے، زمین کو پاک کیا اس پر بیٹھ کر خود کھانا پکایا اور ان سب بزرگوں کی دعوت کی تو یہ حلال کے لقمہ کا اثر ہوتا ہے کہ دلوں میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ عبادت وطاعت کا جذبہ اٹھتا ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام ص۳۱۹ ص۳۲۰ ص۳۲۱)

مُردوں کے لئے بھی (خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے) حصّہ (مقرر) ہے اس چیز میں سے جس کو (اُن مُردوں کے) ماں باپ اور (یا + دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرنے کے وقت) چھوڑ جائیں، اور (اِسی طرح) عورتوں کے لئے بھی (خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی) حصّہ (مقرر) ہے اُس چیز میں سے جس کو عورتوں کے ماں باپ اور (یا دوسرے) بہت نزدیک کے قرابت دار (اپنے مرتے وقت) چھوڑ جائیں، خواہ وہ چھوڑی ہوئی چیز قلیل ہو یا کثیر ہو (سب میں سے حصّہ ملے گا) حصّہ بھی ایسا جو قطعی طور پر مقرر ہے۔ ——————— (سورۃ النساء)

تشریح: آج یتیموں، بیواؤں اور خواتین پر یہ ظلم وستم معاشرہ میں جاری ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد بالغ اور طاقت ور اولاد باپ کے تمام مال وجائیداد پر قبضہ کر لیتی ہے۔ نابالغ لڑکے محروم رہ جاتے ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کا تو کوئی حق ہی نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام نے سب سے پہلے اس ظلم کو دُور کیا، نابالغ یتیم بچوں اور خواتین خواہ بالغ ہوں یا نابالغ ان کو وارث قرار دیا اور ان کے حصّے مقرر کئے اور ان کا حق ادا کرنا فرض قرار دیا۔ اور عام مسلمانوں کو خطابِ عام کر کے حکم دیا کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد اور ورثاء کو پورا پورا پہنچایا جائے، اور ہر ایسے طریقے سے پرہیز کیا جائے جس سے اس کی اولاد اور دیگر ورثاء کو حصّہ نہ پہنچنا تو درکنار، نقصان پہنچنے کا بھی خطرہ نہ رہے۔

کتاب	مصنف	قیمت
عالم اسلام کے خلاف سازشیں	عزیز الرحمٰن قریشی	۱۲/-
مختصر تاریخ خلافت اسلامیہ	مولانا عبدالقدوس ہاشمی ندوی	۴۰/-
ہندوستان میں مسلم فرقہ واریت	پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری	۱۰/-
وسیلہ اور اس کی حقیقت	شیخ نسیب الرفاعی ترجم مولانا مختار احمد ندوی	۱۰/-
کتاب المعارف تاریخ الانساب	ابن قتیبہ مترجم سلام اللہ صدیقی	۴۵/-
حیات شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب	علامہ مختار احمد ندوی	۱۵/-
امیر المؤمنین امیر معاویہ رض	مولانا علی احمد عباسی	
تذکرۃ الائمہ	ملا باقر مجلسی	۲۵/-

درج بالا نایاب کتب حاصل کرنے کا پتہ

پاک اکیڈمی بک سیلرز پبلشرز پوسٹ بکس ۶۶ جی پی او۔ کراچی

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو وہ ظلم کا خوگر ہوتا ہے
نہ ہی وہ اسے رُسوا و بے آبرو ہونے دیتا ہے۔ جو مسلمان اپنے مسلمان
بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے تو خدا اُس کی ضرورت پوری کرے گا اور
جو اپنے مسلمان بھائی کی تنگی و پریشانی دُور کرے گا تو خدا قیامت کے دن
اس کی پریشانیوں کو دُور کرے گا اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی
کی خدا قیامت کے دن اُس کی پردہ پوشی کرے گا۔ (متفق علیہ)

محمّد نسیم
پی۔ای۔سی۔ایچ۔ایس — کراچی

نے جو ترقی کی اور بہت سے علاقے اسلامی حکومت کے جھنڈے تلے آئے وہ سب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے اوصاف و کمالات کا احاطہ مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ رحم دلی، حسن معاملگی۔ علم و فضل۔ حلم و برداشت۔ تدبر و تفکر میں ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔

شیعہ مذہب جس کی بنیاد ہی اسلام دشمنی اور خاندان رسولؐ اور اصحاب رسولؐ سے عداوت پر رکھی گئی ہے وہ اپنے خبث باطنی اور صحابہؓ دشمنی کے سبب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور ان کے خلاف غیر مستند، من گھڑت اور جھوٹے الزامات لگا کر دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سمیٹتے ہیں۔

حضرت مولانا پیر غلام دستگیر نامی رحمۃ اللہ علیہ وسیع العلم اور سلجھے ہوئے ذہن کے مالک تھے انہوں نے زیر تبصرہ کتاب میں حضرت امیر معاویہؓ کے حالات زندگی، کارنامے اور ان کی خدمات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے نیز حضرت امیر معاویہؓ کی شان و عظمت پر جو گرد اڑائی گئی تھی اسے بھی صاف کرتے چلے گئے ہیں اس طرح تمام من گھڑت باتوں کا رد اہل تشیع ہی کی کتابوں سے تحریر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور اس کتاب کو مسلمانوں کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے آمین۔ اللہ تعالیٰ اس کے ناشر کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ یہ کتاب اگر مسلمان بچے کو پڑھا دی جائے تو اس کا ذہن بھی روشن ہوگا اور شیعیت کے دجل و فریب سے محفوظ ہو جائے گا۔ اس کے مطالعہ کی ہر مسلمان سے التماس کی جاتی ہے

(ا۔ ا۔ خ۔ س)

تعارف و تبصرہ

(تبصرہ کیلئے ۲ دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

نام کتاب:- **کشکول معرفت** تالیف:- حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ
سائز: ۲۳ × ۱۸/۸ - کل صفحات:- ۵۸۸ - قیمت:- -/۶۰ روپے -
ناشر:- کتب خانہ مظہری - گلشن اقبال ۲ - ایس بی / ۵ - پوسٹ بکس - ۱۱۱۸۲ - کراچی

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ کو اللہ تعالیٰ نے معارف و حقائق کے اظہار و بیان کا خاص ملکہ عطا فرمایا ہے - آپ نے معارف مثنوی اور معارف شمس تبریز تحریر فرما کر اکابر سے دادِ تحسین حاصل فرمائی ہے -

زیرِ تبصرہ کتاب بھی موصوف کی معارف آگہی پر مشتمل ہے - یہ کتاب مختلف عنوانات پر مشتمل اور متفرق مضامین کا مجموعہ ہے جنہیں سلیقہ سے ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے اس طرح یہ مضامین الگ الگ ہونے کے باوجود مسلسل و مربوط معلوم ہوتے ہیں -

ان مضامین میں مختلف روحانی بیماریوں کی نشاندہی، ان کا سہل علاج اور ان کے سبب جو خرابیاں جنم لیتی ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے - بہت سے مسائل کا حل اور آسان جواب بھی دیا گیا ہے - ان کے علاوہ بہت سی قیمتی معلومات بھی مہیا کی گئی ہیں -

جگہ جگہ مختلف اشعار کے برمحل استعمال سے کتاب میں دلچسپی بڑھ گئی ہے اور کتاب بار بار پڑھنے کے لائق بن گئی ہے -

مختلف اہم کتابوں سے مضامین لئے گئے ہیں لیکن اکثر مواد حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تصنیفات و تالیفات سے لیا گیا ہے اور اسے اس حسن و خوبی اور آسان زبان میں تحریر کیا گیا ہے کہ دل سے نکلی ہوئی بات ٹھیک دل پر جا کر لگتی ہے اور دل و دماغ فوراً اثر قبول کرتے ہیں -

خدا تعالیٰ اور اس کے سچے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت پیدا کرنے میں یہ کتاب بہت بڑی معاون ہے۔ کتاب کیا ہے گویا روحانی بیماریوں اور بے شمار مشکل مسائل کا آسان حل ہے جو مؤلف نے بڑے سلیقے اور سہل انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ کتاب خانقاہوں کے نصاب میں داخل کرنے کے قابل ہے۔ ایک سچے مرید کو کن کن امور کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کس کس روحانی بیماری کا کون کونسا علاج ہے۔ خدا تعالیٰ کا عشق اور رسول کریم کی محبت کس طرح قائم رہتی ہے اور اس میں جوش کیونکر پیدا ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے کون کون سے طریقے ہیں۔ رحمت حق کو حاصل کرنے کا کیا راستہ ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے لازم ہے۔ اس کا مطالعہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت میں اضافہ کا سبب ہوگا اور راہ طریق کی غلطیوں سے بچنے میں معاون ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے لکھنے اور شائع کرنے کو قبول فرمائے اور لوگوں کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے اس کتاب کا مطالعہ اہل خانقاہ کے لئے ضروری ہے تاکہ روحانی امراض سے بچ سکیں اور جو مبتلا ہیں وہ ان امراض سے نجات حاصل کرسکیں۔ امید ہے کہ قارئین زیادہ سے زیادہ اس کو مطالعہ میں رکھیں گے۔ دیگر آئمہ مساجد کے ائمہ ایک وقت مقررہ میں یا کسی ایک دن اس کے مضامین لوگوں کو سنادیں تو لوگوں کی اصلاح ہوجائے

(ا۔ا۔خ۔س)

نام کتاب **حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** مؤلف۔ حضرت مولانا پیر غلام دستگیر نامی

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ۔ کل صفحات۔ ۹۶ ۔ قیمت۔ ۳/۵۶ روپے

ناشر:۔ حافظ نور محمد انور ۔ مکتبۃ الفاروق۔ سلطان پورہ روڈ۔ لاہور (پنجاب) پاکستان

حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل احترام ساتھی، رفقاء معاونین یعنی صحابہ کرامؓ، نجوم ہدایت اور سراپا شان وعظمت ہیں۔ ان کی شان وعظمت کا خود کلام پاک گواہ ہے۔ ان کے شب وروز خدا تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں بسر ہوئے۔ انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر پورا پورا عمل کیا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا کی زندگی ہی میں انہیں اپنی رضا وخوشنودی کا پروانہ دیا اور انہیں جنت کی بشارت سنائی۔

صحابہ کرامؓ میں خلفائے اربعہؓ کے بعد بے شمار صحابہ کرامؓ ہیں جو نیکی وتقویٰ، علم وفضل، عقل ودانش، فہم وذکاء، دین وعطا، حلم وبردباری، سخاوت وقربانی میں انتہائی ممتاز اور قابل احترام ہیں۔

ایسے ہی بلند مرتبہ صحابہ کرامؓ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرفہرست ہیں جنہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کی عظیم خدمت سپرد فرمائی۔ آپ خاندان قریش کے نامور فرد ہونے کے ساتھ ساتھ علم وفضل میں بھی بہت اونچے مقام کے مالک تھے۔ آپؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔

تاریخ اسلام میں مؤرخین نے آپؓ کو مدبر اعظم کے لقب سے یاد کیا ہے۔ آپؓ کے عہد میں اسلام

بقیہ صفحہ ۷۰ پر